جلد (۱) مئی سنہ ۱۹۰۱ء نمبر (۲)

ایڈیٹر

شیخ عبدالقادر بی۔اے




# مخزن

## اردو علم ادب کی دلچسپیوں کا ایک ماہوار مجموعہ


### مضامین نثر

سعدی کی دو تصویریں۔ منشی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار۔ لاہور ... ۱
لارڈ ڈفرن کی تقریریں۔ ایڈیٹر ... ۴
پبلک کیا ہے۔ حافظ عبدالعزیز صاحب ایم۔اے پروفیسر اسلامیہ کالج۔ لاہور ... ۷
رموز حیات۔ قاری سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی نینی تال ... ۹
لطف سخن۔ سید غلام بھیک نیرنگ بی۔اے وکیل ۱۹
ایک بنگالی شاعرہ۔ لالہ مدن گوپال اگروال۔ ایم۔اے۔ ایل ایل۔بی ۲۸
مشتاق دہلوی۔ لالہ سری رام صاحب۔ ایم۔اے دہلی۔ ۳۲
خاتونوں کا ورق۔ ایڈیٹر ... ۳۴

### مضامین نظم

گل رنگین۔ شیخ محمد اقبال صاحب۔ ایم۔اے ۳۶
شعر کیا ہے۔ مرزا اعجاز حسین صاحب دہلوی بی۔اے وکیل ... ۳۷
چاند۔ پیر نذیر حسین صاحب بی۔اے ۳۹
حسین ساگر۔ مولوی محمد عبدالغفور صاحب شہباز (دکن) ... ۴۰
بربط سلمیٰ۔ مولوی فضل الحسن صاحب حسرت ۴۱
منتخبات انیس۔ ۴۲ کچکول ۴۵
نیرنگی زمانہ۔ پنڈت منشی راج صاحب عاشق از لکھنؤ ... ۴۸


نو کروڑ ہندوستانی اردو بولتے ہیں۔ اور اسی قدر اور ہندوستانی اردو سمجھتے ہیں۔

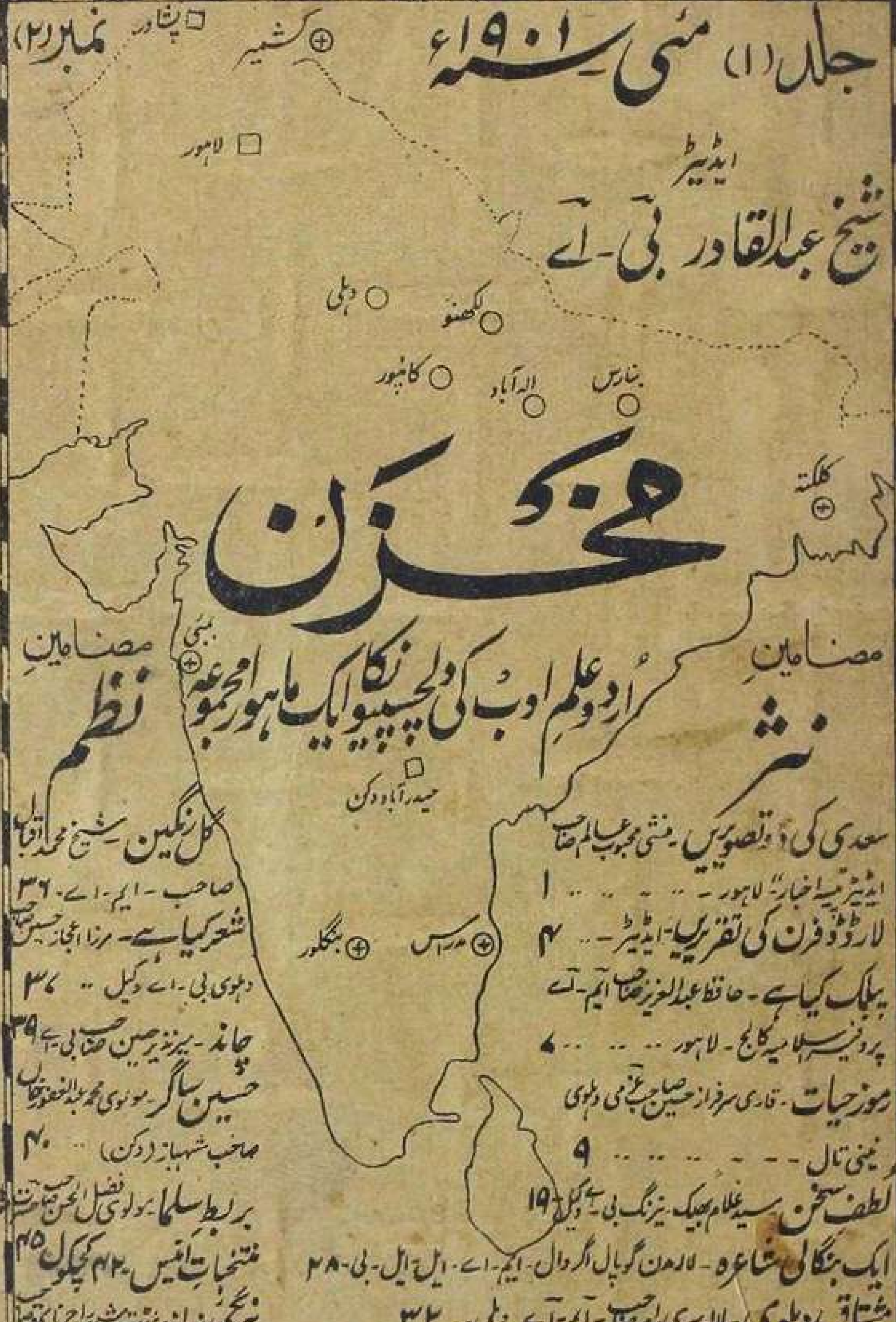

○ ان شہروں میں اردو مادری زبان ہے ☐ ان شہروں میں اردو مروج ہے ⊕ ان شہروں میں اردو سمجھی جاتی ہے

خادم التعلیم پنجاب پریس لاہور میں منشی محمد عبدالعزیز کے اہتمام سے چھپا
اور شیخ عبدالقادر بی۔اے مالک و ایڈیٹر نے شائع کیا

# مخزن کی چند خصوصیتیں

**اوّل** - انگریزی مضمون نگاری کی دلچسپیاں اپنی زبان میں پیدا کرنا مگر ایسی نزاکت سے کہ پرانی مذاق کو ناگوار نہ ہو - اور حتی الوسع اُردو انشا پردازی کے ضروری اصولوں میں سے کسی سے انحراف نہ ہو - انگریزی الفاظ اور محاورات اور بندشوں کے اندھا دھند اُردو میں داخل کرنے کا ناپسندیدہ مذاق جو بڑھتا جاتا ہی اُسکو روکنے کی کوشش کیجائیگی - اور اسبات کی احتیاط ہوگی کہ ممکن ہو تو انگریزی لفظ کی بجائے اس کا ترجمہ لے لیں - بشرطیکہ پورا مفہوم ادا ہو جائے - چنانچہ اس رسالہ کا نام انگریزی لفظ میگزین کا صحیح ترجمہ ہے اور گو میگزین بھی اُردو میں سمجھا جاتا ہی - مگر جب میگزین اصل میں عربی لفظ مخزن سے مشتق ہی - تو کیوں ہم مخزن کو ان معنوں میں استعمال نکریں - جب لفظ مخزن زبانِ اُردو میں زیادہ خوبصورتی سے کھپتا ہے -

**دوم** - اسکے مضامین بالعموم ایسے ہونگے - جو کسی ایک مذہب و ملت کے مذاق تک محدود نہوں - ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کی دلچسپی کا سامان مہیا کیا جائیگا - اور ہر طرح اس بات کی سعی کیجائیگی کہ ہر مذہب کے ناظرین اس رسالہ کے مطالعہ سے حظ اُٹھائیں - ہماری ہندو ہموطنوں میں بہت سے تعلیم یافتہ اصحاب اردو مضامین کے ایسے ہی مشتاق ہیں جیسے مسلمان - اور اُردو لکھنے کا بھی بہت سے صاحبان شوق رکھتے ہیں - اور یہ رسالہ ایسا جامع بننا چاہتا ہی کہ ہندو مسلمان مضمون نگار یکساں شوق سے اسمیں مضامین لکھیں اور ہر قوم کے شائقین پڑھکر یکساں لطف اٹھا سکیں -

**سوم** - فنِ تقریر و فصاحت کو جو اس زمانہ میں مغرب میں بحیثیت فن کے سیکھا اور سکھایا جاتا ہی - ہندوستان میں رواج دینا تاکہ ہندوستان کے ایسے مقررین جنکو قدرت نے قوتِ بیانیہ اور جوشِ اثر عطا کیا ہی - فصاحت کی نئی معلومات سے فائدہ اٹھائیں - اور اس مطلب کے حصول کی تسہیل کیلئے کبھی کبھی بعض نامور فصحائے فرنگ کی تقریروں کی ترجمہ بامحاورہ اردو میں دی جائینگے - تاکہ یہاں کے طلبائے فصاحت کیلئے نمونہ کا کام دیں -

**چہارم** - انگریزی نظموں کے نمونے پر طبعزاد نظمیں - انگریزی نظموں کے بامحاورہ ترجمے - خلاقی نظمیں اور پرانے رنگ کی نظم کی انتخاب اسمیں جمع کی جائینگی - تاکہ متقدمین کی تقلید کرنیوالے جدید مذاق سے آگاہ ہوں - اور انگریزی خوان اپنی ملک کے پرانے ذخیروں سے

(1)

# مخزن

## سعدی کی دو تصویریں

اہل ہندوستان شیخ مصلح الدین سعدی کے نصائح متبرکہ سے گذشتہ ساڑھے چھ سو سال میں اہل ایران سے کچھ کم مستفید نہیں ہوئے۔ گلستان بوستان اور کریما کو جو مقبولیت ہندوستان میں حاصل ہوئی ہے۔ یہی عرب مصر شام اور ٹرکی میں بھی حاصل رہی ہے۔ سعدی شیرازی کی پختہ رائوں نصیحتوں اور اُستادانہ کلام نے نہ صرف اہل مشرق کو ہی مسخر کیا ہے۔ بلکہ اہل مغرب کو بھی اپنا والہ و شیدا بنا لیا ہے چنانچہ یورُوپ کی ہر زبان میں گلستان اور بوستان کے متعدد ترجمے موجُود ہیں اس لئے یوروپ کے علما بھی شیخ سعدی کو دنیا کے اکابر مصنفین میں شمار کرتے ہیں اور اس کے ہموطن اور ہم مذہب اُسے ایک اس سے بھی اعلیٰ خطاب یعنے "پیغمبر سخن" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ایک اُستاد کا قول ہے ؎

در شعر سہ کس پیمبران اند — ہر چند کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِی
قولیست کہ جملگی بر آنند — فردوسی و انوری و سعدی

قطع نظر دیگر ممالک کے ہندوستان میں گلستان اور بوستان کو فارسی زبان کی ابتدائی درسی کتابیں مقرر کرنے میں بزرگانِ سلف نے بڑی دانشمندی

سے کام لیا تھا۔ گو آج علوم مغربی کے پڑھنے والے اتراتے ہیں کہ شیکسپیئر اور ملٹن کے پڑھنے سے وُہ اپنے متقدمین سے زیادہ دانشمند ہو گئے ہیں۔ مگر میرا عقیدہ یہ ہے کہ جس شخص نے شیخ سعدی کی کتابوں کو غور سے پڑھا ہے اُسے دنیا کی کسی دوسری زبان کی اعلیٰ سے اعلیٰ تصنیف کے پڑھنے والے کے سامنے دبنا نہیں پڑیگا۔ شیخ سعدی کی کتابیں دنیا کی اُن معدودے چند کتابوں میں سے ہیں جنہیں حیات دوام حاصل ہے۔ لیکن بخلاف اس قسم کی بعض دُوسری کتابوں کے اِن کی شہرت کا دائرہ صرف علما تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ ہر عمر ہر طبقہ اور ہر مشرب کے آدمیوں کے لیئے یہ موزون تصنیفات ہیں۔ اور اسی لئے انکا روشن ضمیر مصنّف ہر عمر ہر طبقہ اور ہر مشرب کے آدمیوں کے نزدیک عزیز اور قابل قدر و منزلت ہی۔ اُس نے حکمت اور شریعت اور دنیوی دانش کو ایسے مقبول پیرائہ میں بنی نوع انسان کے سامنے پیش کیا ہے کہ زندگی کی ہر منزل میں انسان اُس سے سبق حاصل کر سکتا ہے۔

جو لوگ شیخ سعدی کی حکمت اور دانش کی باتوں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں انہیں بارہا خیال آتا ہوگا کہ وُہ شخص کس شکل اور صُورت کا ہوگا۔ اسکی ڈیل ڈول کیا ہوگی۔ اُسکا بشرہ کیسا ہوگا۔ وہ لباس کس قسم کا پہنتا ہوگا۔ کم از کم میں نے ہزاروں دفعہ ان باتوں پر غور کیا ہی۔ چنانچہ اسی تلاش میں مجھے دو تصویریں حضرت شیخ کی دستیاب ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک تو کپتان ایچ ولبرفورس کلارک کے ترجمہ بوستان کے ساتھ چھپی ہوئی ہی۔ جو ۱۸۷۹ء میں بمقام لنڈن چھپا ہی۔ اور دُوسرا ایک پورانا فوٹوگراف ہے جو کسی مرقع سے لیا گیا ہی۔ پہلی پر میں نے بغرض تمیز ا کا نشان کر دیا ہی اور دوسری پر ب کا۔

کپتان ولبرفورس نے اس تصویر کے ساتھ حسب ذیل کیفیت لکھی ہی:—

"یہ تصویر شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی کی ایک پُرانی تصویر کی نقل ہی جو

ہفتان میں بنی ہوئی ہے جسے وکیل کریم خاں نے سنہ ۷۹-۱۷۷۵ء میں تعمیر کیا تھا
"ہفتان شیراز کے نواح میں ایک احاطہ ہے جو (۳۳) گز چوڑا اور (۱۱۰) گز لمبا ہے۔ اس
میں سات درویشوں کی قبریں ہیں۔ جنکے نام اب معلوم نہیں۔ اسکے اندر ایک
عمارت میں دو روغنی نیم قد آدم تصاویر موجود ہیں۔ ایک تصویر سعدی کی مغربی
طرف کے دروازہ پر۔ اور دوسری حافظ کی مشرقی دروازہ کے اُوپر کے طاق میں"۔
سعدی کے ایک ہاتھ میں تبر ہے اور دوسرے میں کشکول۔ یہ ایرانی درویشانہ
وضع ہے۔ چونکہ یہ متبرک سیرت شخص اکثر سیر و سیاحت میں رہتا تھا اور درویشوں اور
بزرگوں کے ساتھ حسن عقیدت بھی رکھتا تھا۔ اِس لئے قرین قیاس ہے کہ یہی وضع عموماً
مرغوبِ طبع تھی۔ دُوسری تصویر اس خیال کی تصدیق کرتی ہے۔ دونو میں فرق صرف
اتنا ہے کہ ع وہ صُورت ہے بڑھاپے کی یہ نقشہ ہے جوانی کا۔ مگر اِن دونو تصویروں
میں اتنی غیر معمولی مشابہت ہے۔ کہ زیادہ غور کرنے پر یہ شبہہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ کہ دونو
کسی ایک تصویر کی نقل ہوں۔ کیونکہ یہ قرینِ قیاس نہیں کہ دو تصویریں علیحدہ علیحدہ
لی جائیں اور اُن میں اتنی باتیں مشابہت کی آجائیں۔ کہ ایک درخت کے پاس سعدی
کھڑا ہو۔ وُہ درخت دونو صورتوں میں دائیں ہاتھ پر رہے بائیں ہاتھ میں دونو تصویروں
میں تبر نظر آئے اور دائیں ہاتھ میں کشکول۔ اس میں شک نہیں کہ بعض باریک فرق
ہیں۔ ا میں درخت سُوکھا ہوا اور شاخ بریدہ سا ہے۔ ب میں ہرا بھرا اور سایہ دار
ہے۔ ا میں کشکول میں کچھ پڑا ہے مگر یہ صاف نہیں کھلتا کہ کیا ہے ب میں صاف
پھُول نظر آرہے ہیں۔ مگر یہ تفاوت سمجھ میں آجاتا ہے۔ اگر فرض کریں کہ تصویر ا پہلی
اور اصلی ہے۔ اور تصویر ب کسی مصوّر نے اُسکو دیکھنے کے بعد اتاری ہے مگر
سامنے بیٹھ کر نہیں اُتاری۔ حافظہ سے کام لیا ہے۔ جس کے سبب ایسے فرق نظر
آتے ہیں ٭

محبوب عالم

# لارڈ ڈفرن کی تقریر

**فنون کی بے قدری** لارڈ ڈفرن صاحب بہادر بالقابہ نے سملہ میں فنون لطیفہ کی ایک نمائش کو کھولتے وقت ستمبر سنہ ۱۸۸۴ء میں اس مُلک میں فنون کی بے قدری پر ایک فصیحانہ گفتگو فرمائی تھی۔ اُن کی تقریر کے ایک حصّہ کا ترجمہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں

صاحبان! اسوقت جو سماں میری نظر کے سامنے ہے وہ میری توجہ کو فنون کی ترقی کے وسیع مسئلہ کی طرف کھینچتا ہے اور میں اس بات پر اظہارِ تعجب سے باز نہیں رہ سکتا۔ کہ ہندوستان میں صاحبانِ فن کی کس درجہ بے قدری ہے اور اُنکے لئے کہیں راہیں کھلی ہُوئی نہیں۔ یُوں تو ہندوستان کا موجُودہ زمانہ کئی پہلوؤں سے مُلک ایطالیہ کے پندرھویں صدی کے زمانے سے مشابہ ہے۔ وہاں اُس وقت میں بہت سے دربار تھے جن پر دولتمند تعلیم یافتہ اور اہلِ مذاق نوابوں اور راجاؤں کی حکومت تھی اور یہی صُورت یہاں ہے۔ وہاں امراء۔ اہلِ دول۔ زمیندار جاگیردار۔ سوداگر اور خوشحال تاجر موجُود تھے اور یہی حالت یہاں ہے وہاں بیشمار میونسپل کمیٹیاں شہروں کے فائدہ کے لئے قائم تھیں اور یہاں بھی ہیں۔ وہاں ایک پہلے زمانہ کے اعلےٰ تمدّن کی عمدہ یادگاریں ہر طرف اپنی دلفریبیوں سے دامن کو کھینچتی تھیں اور ایسا ہی یہاں ہے۔ وہاں کی آب وہوا۔ اور اور سامان امراء و شرفائے ملک کو کسب فن اور قدردانیٔ فن کے لئے اسقدر فرصت اور اتنے موقعے دیتے تھے۔ کہ دُوسرے ممالک کو اپنے کثرتِ کاروبار اور اہلِ ملک میں باذاق لوگوں کی کمی کی وجہ سے وُہ موقعے حاصل نہ تھے۔ اور ہندوستان کی آب وہوا اور حالات اور امراء کی طبیعتیں بھی ایطالیہ سے مشابہت رکھتی ہیں۔ پھر یہ غضب کیا ہے۔ کہ فن اور اہلِ فن کی قدردانی

میں ہندوستان اور ایطالیہ میں مشابہت نہیں۔ اور یہاں کے امرا کے گھر ایطالیہ کے نامور خاندانوں کی طرح اہلِ فن کا ملجا و ماوےٰ نہیں ہیں۔ اگر ہمارے ہاں کے دولتمند فنون کی قدردانی شروع کریں۔ تو وُہ نہ صرف اپنے دِل بہلانے کے لئے جائز اور مناسب سامان کرینگے۔ بلکہ حبِ وطن کا ثبوت دینگے۔ کیونکہ اگر ملک کی ترقی کی موجُودہ حالت میں کوئی بات سب سے ضروری ہو تو یہ کہ ان نسلوں کے لئے جو اب تعلیم سے بہرہ ور ہوکر ہمارے مدارس سے نکل رہی ہیں۔ ایسے راستے نکالے جائیں۔ جن سے وُہ عزّت کے ساتھ کسبِ معاش بھی کریں اور جن میں وُہ اپنی عقلِ خداداد اور علمی لیاقتوں کو کام میں لاسکیں۔ سرِدست اس مُلک کے نوجوانوں کے لیے صرف تین راستے کھلے ہیں۔ ملازمتِ سرکار۔ وکالت اور چھاپہ خانے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ جس رفتار سے تعلیم بڑھ رہی ہو اور ہر سال ہزاروں طلبا تعلیم سے فارغ ہوتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ چند سالوں میں ان تینوں راستوں میں اتنا ہجوم ہو جائیگا کہ بہت لوگوں کو ناکامی کا سامنا ہوگا اور صرف چند مراد کو پہنچینگے۔ لیکن اگر دولتمند ہندوستانیوں میں فنونِ لطیفہ کا شوق عام طور پر پھیل جائے اور وُہ دِل سے قدردانی کریں تو سینکڑوں نوجوانوں کے لیے معزز اور مفید ذرائع کسبِ معاش کے نکل آئیں۔ کوئی نقاش۔ کوئی حرف کن۔ کوئی سنگتراش۔ کوئی تعمیرات کے نقشے بنانے والا۔ کوئی رنگساز اور کوئی روغن چڑھانے والا بن جائے۔ اور اس سے بڑھ کر یہ فائدہ ہو کہ کئی اور کسبوں کا جو یہاں کے لوگوں کی طبیعتوں سے خاص مناسبت رکھتے ہیں مگر جو کسادبازاری کی وجہ سے پھیکے پڑے ہوئے ہیں۔ بازار گرم ہو جائے۔

---

یقین جانئے ہر دِل غمِ نہفتہ کا ایک خزینہ ہے۔ مگر لوگ اس حالت سے آگاہ نہیں ہوتے۔ بسا اوقات ہم کسی کو سرد مہر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ حقیقت میں مغموم ہوتا ہے۔

(لانگ فیلو)

# انگریزی سیکھنے کی ضرورت

نومبر سنہ ۱۸۸۵ء میں میو کالج اجمیر کی رسم افتتاحی کی تقریب پر لارڈ ڈفرن نے ایک دلپذیر تقریر فرمائی جس میں راجپوتانہ کے پرانے خاندانوں کی یادگاروں کو مخاطب کرکے چند خاص نصیحتیں کیں۔ اس سلسلہ میں زبانِ انگریزی سیکھنے کی ضرورت کو لاٹ صاحب موصوف نے یوں بیان کیا:—

"اب مجھے صرف ایک بات اور بیان کرنی ہے۔ اور وُہ یہ ہے کہ زبانِ انگریزی میں کامل مہارت پیدا کرنا آپ کے لئے نہایت ضروری ہے۔ ایک فائدہ تو اظہر من الشمس ہے۔ کہ اس زباندانی کے ذریعہ سے آپ کی ایک ایسے ذخیرہ ادب پر دسترس ہوگی جو کیا باعتبار بیش بہا علمی جواہرات کے اور کیا باعتبار انواع و اصنافِ ادب کے قابلِ قدر ہے۔ اور جس میں آپ کو دنیا کے بعض بڑے سے بڑے دانا ؤں کے اقوال ملینگے۔ اور جس کے وسیلہ سے تمام موجُودہ فلسفہ اور علوم طبعی کی تحقیقاتیں آپ پر روشن ہو جائینگی۔ مگر انگریزی کی تحصیل کے فوائد جس پہلو سے مَیں اس وقت آپ کو بتانا چاہتا ہوں وُہ اس کا علمی پہلو ہے۔ انگریزی اسوقت سرکار عالیہ کے دفاتر کی زبان ہے۔ اور اکثر سرکاری کتابیں معاملاتِ ملکی۔ انتظامی و اغراض عامہ کے متعلق اسی زبان میں آپ کو ملینگی۔ جن عہدوں پر پہنچینگے۔ اور جو فرایض آپ سے متعلق ہونگے۔ اُن سب میں یہ آپ کے کام آئیگی۔ ہندوستان کے بعض دُوسرے حصّوں کے تیز فہم باشندوں نے ان فوائد کو بخوبی سمجھ لیا ہے۔ اور وُہ انگریزی سیکھنے میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ اُن میں بہت سے ایسے صاحبان ہیں جو انگریزی پڑھنے اور لکھنے میں وُہ کمال رکھتے ہیں اور وہ فصاحت و بلاغت دکھاتے ہیں۔ کہ حدِ تعریف سے باہر ہے۔ مَیں امّید کرتا ہُوں کہ جو حضرات

اسوقت میرے مخاطب ہیں۔ انکو اپنی عزت۔ اپنے بڑوں کے نام اور اپنے صوبہ کی نیکنامی کا پورا خیال ہے اور اس لئے وُہ کبھی گوارا نہ کرینگے۔ کہ وُہ انگریزی دانی میں اپنے ہم چشموں سے پیچھے رہجائیں۔ یہ تو مشیت ایزدی میں آچکا ہے۔ کہ زبان انگریزی کا خدا کی خدائی میں سب سے بڑھکر رواج ہو۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ آج سے سو سال تک دُنیا میں انگریزی بولنے والوں کی تعداد سو کروڑ سے بڑھ جائیگی۔ نظر بریں حالات نہائت افسوس اور شرم کی بات ہوگی اگر ملکہ معظمہ قیصرہ ہند کی ہندستانی رعایا کا کوئی حصہ جو تعلیم یافتہ ہونے کا دعویٰ رکھتا ہو اس زبان سے نابلد رہے +

# پبلک کیا ہے

مندرجہ ذیل سطور انگلستان کے ایک نامی مصنف ولیم ہیزلٹ کے ایک مضمون سے ترجمہ کی گئی ہیں۔ اہل انگلستان کی جہاں ہزار خوبیاں اور ہیں۔ وہاں ایک یہ بھی ہے کہ بُرا کہنے سے بُرا نہیں مانتے اور ہنسی ہی ہنسی میں رو نہیں دیتے۔ یہ امر کہ ہم کو اس سبق کے سیکھنے کی کہانتک ضرورت ہے خود ناظرین کی رائے پر چھوڑا جاتا ہے۔ مصنف موصوف "پبلک" کی شان میں یُوں فرماتے ہیں:۔

پبلک جیسا کمینہ۔ کودن۔ بزدل۔ مطلب پرست۔ کینہ توز۔ حاسد۔ ناشکر گذار کوئی تلاش کرنے سے بھی نہ ملیگا۔ بزدلوں میں اسکا اوّل نمبر ہے۔ کیونکہ یہ اپنے آپ سے ڈرتی ہے۔ ذرا سے مقابلہ پہ بھی یہ بید مجنوں کی طرح کانپنے لگتی ہے۔ اپنے ہی سایہ سے بھڑکنا اور اپنے ہی نام سے سہم جانا اسی کا کام ہے۔ منہ تو اس کا شیر کا سا ہے مگر دل خرگوش کا سا۔ کان لمبے لمبے مگر آنکھوں میں نیند غدارد۔ ڈر کی

بات کو کان دھر کے سنتی ہے اور خود اپنی ہی رائے سے ایسی ہراساں ہوتی ہے کہ کبھی رائے قائم کرنے کی جرأت ہی نہیں کرتی۔ بعض دفعہ کسی اُڑتی ہوئی لایعنی افواہ کو چمٹ جاتی ہے (تاکہ رائے قائم کرنے میں تاخیر کا گمان بھی نہ ہو) اور پھر اس کو بار بار دہراتی ہے اور اس شور میں اور کسی چیز کے سُننے کے قابل ہی نہیں رہتی۔ یہ خیال کہ "پبلک کیا کہیگی" پبلک کو تو خیر کچھ سوچنے ہی نہیں دیتا مگر شخصی رائے پر بھی اس کا اثر جادو سے کم نہیں۔ الغرض یہانتک نوبت پہنچتی ہے کہ کسی طالبِ شہرت نے ذرا طمطراق سے کچھ کہدیا تو وہی عام رائے بنگئی۔ جو کچھ ایک شخص کہتا ہے اُسے سب سُنتے ہیں اور یہ خیال کہ ایک خاص بات سب کو معلوم ہے۔ اس امر کی دلیل بن جاتا ہے کہ ہر ایک کا اس پر یقین ہے اور بس جب یہ یقین ہوا تو پھر عقل کی چپکی چپکی نصیحت سب دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ آدمی سُنتا زیادہ ہے اور سوچتا کم۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ کسی بات کا چرچا ہے تو یہ سوچتے ہیں کہ اس کے چرچے کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور لوگوں کے تخیل پر ہوا ہوگا اور خواہ مخواہ ہی اعتبار کرنے لگ جاتے ہیں۔ چاہے ہم کو یقین بھی ہو کہ افواہ غلط ہے مگر اس وسوسہ کے باعث کہ اور لوگ اس کو مانتے ہیں اور ہم خود مخالفت کے مخمصہ میں پھنسنا نہیں چاہتے۔ ہم اپنے اصلی اور اپنے نزدیک نرالے ارادے کو اس بے سُود اور محض بے معنے شور کی نذر کرتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ عام رائے ایک وسیع اور مضبوط بنا پر قائم ہو اور فرداً فرداً ہر ایک شخص کے غور و خوض کا نتیجہ ہو۔ اکثر چھوٹے پن اور دکھاوے پر مبنی ہوتی ہے۔ اور ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ پبلک ہرگز عام رائے کی موجد نہیں ہوتی۔ بلکہ اُس کے ادنی مقلدوں میں ہوتی ہے ٭

(عبدالعزیز)

# رموزِ حیات

قاری سرفراز حسین صاحب عزمی - دہلوی - جنکی بعض تصانیف کا اشتہار مخزن کے پہلے پرچہ میں درج ہوچکا ہی - کچھ عرصہ سے علم الٰہیات کے مطالعہ میں نہایت شوق سے مشغول ہیں - اس طرف رغبت بڑھنے سے پہلے وُہ دہلی کی ٹکسالی زبان میں کئی دلچسپ قصّے لکھ چکے ہیں - اور رنگین مضمون نویس رہے ہیں - مگر اب کُتبِ تصوف و ویدانت کے شوق کے غلبہ نے اُن میں یہ بات پیدا کردی ہے کہ وُہ ہر چیز کو مذہب کی عینک لگاکر دیکھتے ہیں - چنانچہ مُندرجہ ذیل مضمون میں جو وُہ نینی تال سے ارسال فرماتے ہیں - انہوں نے مُسلمان نوجوانوں کو چند نصیحتیں کرنے کے لئے مذہبی پیرایہ اختیار کیا ہی - ہم خوش ہیں کہ اُنکی نصائح ایسی ہیں کہ خفیف تبدیلی کے ساتھ ہندو نوجوانوں کے لئے بھی پُوری مفید ہوسکتی ہیں - لائق مضمون نگار نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ مُلکی اور قومی خدمت کے لئے کیونکر تیار ہونا چاہیئے -

(ایڈیٹر)

اِس مضمون میں ہمیں اُن قوائے اندرونی سے بحث کرنی ہے جنکو ٹھیک ٹھیک سمجھنے اور برتنے سے اِنسان کے لئے ہر جائز ترقی کا دروازہ کُھل جاتا ہے اور زندگی قابلِ قدر و شکر گذاری بنجاتی ہے - خیال کو معلوماتِ حیاتِ انسانی میں بہت بڑا دخل ہے - حتّٰی کہ اکثر صُورتوں میں بہت کچھ زندگی خیالات ہی کے نتائج سے مرتّب ہوتی ہے - اگر خیالات کا اُبال کسی اصلی اور صحیح مادہ کے جوش کھانے کا نتیجہ ہے تو اِنسان کی زندگی نہایت صحیح اور پائدار اصُول پر قائم ہوگی - اگر اِس کے برعکس ہے تو نتیجہ بھی برعکس ہوگا - کسی صحیح مادہ کی تحریک اولیٰ جو قلبِ انسان میں پیدا ہوتی ہے اُسے ایمان کہتے ہیں - اسکی تفصیل اور پھیلاؤ کا نام عقائد ہے اور یہ دونو مِلکر خیال پر جو اثر پیدا کرتے ہیں اور پھر خیال کے زیرِ سایہ جس طرح زندگی مرتّب ہوتی ہے اُسے اعمال سے تعبیر کیا

جاتا ہے صحت اور اصلیت قلب کی تہ میں ہے اور جب اُس میں تحریک پیدا ہوتی ہے تو اُس کا نشانہ قلب کی چاندماری پر جا کر لگتا ہے اور وہاں سے کُل دار و گیر شروع ہوتی ہے۔ اب سب سے پہلے یہ پتہ لگانا چاہیئے کہ اصلیت یا صحت اپنی ذات میں ہے کیا شئے اور جب اُسی کے متحرک ہونے سے دنیا میں ہر عُمدگی اور خُوبی کا وجُود ہے تو وہ ذرائع کیا ہیں۔ جن سے وُہ تحریک میں آسکتی ہے۔

ساری دُنیا کی جان بلکہ جان کی بھی جان۔ ہر سطح کا عُمق بلکہ عُمق کی تہ ایک ذات واحد ہے جس میں وُہ کل جوہر مضمر ہیں جو عالم عرض و سبب میں ظہور پذیر ہو کر آفرینش و بقا و فنا ر کائنات کے قواعد کا کلیہ ہیں۔ ذات ہر شئے میں ساری و طاری ہے اور انسان جو بدرجہ اکمل مظہر ذات ہے صرف اسی وجہ سے اُن سب اسباب پر قادر ہے جو ذات کے جلو میں کام کرتے ہیں۔ انہی اسباب کو آفرینش و بقا و فنا ر کائنات کے قواعد کا کلیہ کہنا چاہیئے اور انہی کی مکمّل فہرست بنانا انکو اچھی طرح سمجھ لینا اور ان کا رُخ دیکھکر کام کرنا انسان کو اشرف المخلوقات کے لقب کا مستحق کرتا ہے۔ اگر ذات یکتا و یکساں نہ ہوتی تو دنیا میں کوئی کلّیہ قائم نہ ہو سکتا۔ سوسائٹیوں اور افراد میں یکتائی اور یکسانیت کا خیال ہی نہ پیدا ہوتا۔ اگر ذات معطّل محض ہوتی اور اُسکے جلو میں متذکرہ بالا اسباب نہ ہوتے تو کوئی شخصی زندگی اس سے گرمی پاکر نشو و نما نہ پکڑ سکتی۔ کل عالم میں یہ چلت پھرت نہ ہوتی اور ایک ایسی حالت ہوتی جسے سکون محض کہنا چاہیئے یہ حالت باعتبار مشاہدہ بھی محال ہے اور یہ بات کہ انسان ترقی کرتا ہے اِس امر کا ثبوت ہے کہ ذات متصرّف ہے اور ذات کا متصرف ہونا انسان کے لئے ترقی کو لازمی کرتا ہے۔ یہ اُسکا ثبوت ہے وُہ اِسکا ✦

اس بیان سے معلوم ہوا کہ اصلیت یا صحت ذات ہے اور اسکی تحریک اولے ترقی ہے جو انسان کا ایمان ہے۔ نیز یہ کہ ترقی کا مرکز انسان میں ہے نہ کہ اس سے

باہر۔ ؎ کہیں تجھ کو نہ پایا گرچہ ہم نے اک جہاں ڈھونڈا
پھر آخر دل ہی میں دیکھا بغل ہی میں تُو نکلا۔

اس کے بعد اُن اسباب کی توضیح ہونی چاہئے جو نظام عالم کے کلیتے ہیں اور یہ دیکھنا چاہئے کہ خود انسان میں کیا کیا قوے ہیں جو ان اسباب سے دست و گریبان ہو سکتے ہیں۔ اسباب کو ڈھونڈنا اور ان پر تسلّط کرنے کے قابل جو قوے ہیں انکو باہر نکالکر لانا صحیح مادہ کو تحریک میں لانا ہے۔ اس کام کو انجام دینے کا صرف یہی کامل ذریعہ ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ترقی کرنا تو دین ایمان ہی ٹھہرا صرف یہ دیکھنا باقی ہے کہ کن کن باتوں میں ترقی کرنا ہے اور اسکے ذرائع ہم میں کیا موجود ہیں۔ کُل کائنات کی بنا اور گویا آفرینش کی اصلی رمز محبت ہے۔ اسی چاشنی سے یہ کل قوام تیار ہوا ہے۔ اس دعویٰ کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ شخصی زندگیوں میں بمقابلہ اور اجزا کے یہ جزو بہت زیادہ عام اور دخیل ہے۔ بُنیاد اس کل تماشا گاہ کی محبت ہے۔ اسکے قیام میں عدل کا تصرف ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر جاندار ناواجب سختی سے گریز کرتا ہے اور غلام تک اپنے دل میں عدل کا اُمیدوار ہوتا ہے۔ اسکے قیام کے لئے ہمت کا ضامن دیا گیا ہے اور کُن فیکون سے لیکر آجتک بغیر صرفِ ہمت کے کوئی گاڑی نہیں چلی اور نہ آئندہ چلے۔ محبت۔ عدل اور ہمت نظامِ عالم کے اصلی اور زبردست کُلّیے قرار دیئے جا سکتے ہیں باقی جو کچھ ہے وہ انکے فروعات ہیں اور ہر صاحبِ ایمان یعنی ترقی کرنے والے انسان کا فرض ہے کہ ان اجزار کے عمل کو محسوس کرے اور خیالات پر ان کا پُورا اثر لے۔ باعتبار اسکے کہ یہ قواعد عالمگیر ہیں ہر زندگی اُن سے یکساں متاثر ہوتی ہے اور جہاں کہیں نتیجہ برعکس دکھائی دیتا ہے ضرور ہے کہ کچھ موانعات ایسے حائل ہیں جو اُنکے اثر کو باطنًا محسوس نہیں ہونے دیتے۔ ان اجزار کی کارپردازی کو بدرجۂ اکمل اور بے حجاب اپنے میں دیکھنا اور جو رشتہ انکا اپنے منبع یعنے بحرِ ذات سے ہے اُسے

ہے کم و کاست پہچان لینا اعلیٰ مقصدِ حیات ہے۔ عالمِ اندرونی میں یہ اجزا ایمان۔ عقائد خیالات اور ارادوں کے لباس میں جلوہ گر رہتے ہیں عالمِ بیرونی میں بھی اور صرف یہی اپنے اپنے موقع اور محل پر عملاً ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ بہرحال خلوت اور جلوت دونو میں انہی کا تصرف ہے اور چونکہ یہ خود ذات سے قوت پذیر ہیں اس لئے ھُوَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ دین و ایمان ٹھہرا۔

ہمارا ترقی کرنا یہی ہے کہ ہم میں محبت بڑھے۔ عدل دستور العمل بنے اور ہمت ہر وقت ہماری سربراہی کرتی رہے۔ جہانتک اُنکا تعلق ہم سے اندرونی طور پر ہے ہم اُنکے معاملہ میں قوائے باطنی سے کام لیں اور جہاں یہ بیرونی شائبہ زندگی سے وابستہ ہیں وہاں قوائے ظاہری سے اُنکا عملدرآمد کیا جائے اِس بارہ میں کامیاب ہونے کے ذرائع ہم میں یہ موجود ہیں کہ سب سے پہلے تو یہی ہمارا ایمان ہے کہ ہم ترقی کے موضوع اصلی ہیں اور مبدءِ فیاض جسکے پرتوِ فیض سے محبت عدل اور ہمت قائم ہیں ہمارے لئے بنا بنایا آئڈیل[1] زندگی کا موجود ہے بلکہ وہ آئڈیل خود ہماری زندگیوں میں جلوہ گر ہے۔ ہمیں بمصداق اِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً صرف اسے بدرجۂ اولیٰ ظہور اور عمل میں لانا ہے۔ اس اندرونی یقین کے بعد صرف یہ کرنا باقی ہے کہ آئڈیل کو جس قدر زیادہ ہو سکے سامنے رکھیں۔ وُہ خود دل میں ایک گرمی پیدا کر دیگا جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ ترقی کے اسباب خارجی بھی سب مہیا ہو جائینگے۔

یہانتک تو اصولی بحث تھی۔ اب ہم ذرا بدیہات میں آکر یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ہم مسلمانانِ ہند کو محبت۔ عدل اور ہمت کی کس طرح جلا کرنی چاہیئے اور زمانہ کی رفتار اور ضرورت کے موافق اُن سے کیا کام لینا چاہیئے۔ ہماری جو موجودہ حالت ہے اور جس میں بیّن ترقی نہ ہونے سے خُدا کی زمین و آسمان ہم پر تنگ ہوتے نظر آتے ہیں۔ ضرور فطرت کے مقررہ قواعد کے تحت میں ہے انہی قواعد کی رو سے ہم پستی میں ہیں

[1] Ideal یہ لفظ اُن انگریزی الفاظ میں سے ہے جن کا اُردو میں صحیح ترجمہ ہونا قریباً محال ہے اس کا مفہوم ہے "مقصدِ اعلیٰ" ۱۲

انہی قواعد کے موافق ہم ترقی کر سکتے ہیں ہمارا تنزل اس وجہ سے ہے کہ ہم نے فطرت کے عالمگیر قواعد کے خلاف کارروائی کی محبتوں کو منتشر اور ضعیف کر دیا عدل سے منہ موڑ لیا اور ہمت کو زنانہ لباس پہنا دیا۔ ترقی کرنے کی بھی صورت ممکن ہے کہ مجنون کو مجتمع کر کے اصلاح قوم کی جانب رجوع کریں۔ عدل کی تعمیل میں حقوق اللہ وحقوق العباد کو پہچانیں اور اسکے موافق عملدرآمد کریں اور سب سے بڑھ کر ہمت اور بلند حوصلگی کی ہر اُس رمق کو جو ہم میں ہے متحرک کر کے فلاح اور بہبود قوم میں صرف کریں۔ میری رائے میں ہر مسلمان کو تجدید ایمان کرنا چاہیئے۔ اگر ابتک کسی نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تھوڑی سی حسب عادت اور مثل ایک کل کے عبادت کر لینا اور ہر طرف سے آنکھیں بند کر کے پستی کی حالت میں پڑا رہنا نجات کے لئے کافی ہے۔ اور خُدا اور اُسکا رسُول ہم سے راضی ہے تو جہانتک جلد ممکن ہو اس مغالطہ سے اپنے آپ کو نکالنا چاہیئے۔ ہم دِکھا چکے ہیں کہ انسانی فرض منصبی ترقی کرنا ہے ہر مسلمان کو اس پر ایمان لانا چاہیئے کہ میں اسی صورت میں نجات کا مستحق ہُوں جب میں حسب منشاءِ خُدا و رسُول ترقی کروں۔ ایک زمانہ وُہ تھا کہ خدا و رسُول کی خوشنودی کے لئے مسلمانوں کو ترقی حاصل کرنے کے راستہ میں جانیں دینی پڑتی تھیں۔ مال لُٹانے پڑتے تھے۔ بے گھر۔ بے در ہونا پڑتا تھا۔ اللہ کا احسان ہے کہ ہم مسلمانانِ ہند کو ان سخت آزمائشوں میں سے ایک کا بھی سامنا نہیں کرنا ہے۔ ہمیں تو گنی چُنی یہ دو تین باتیں کرنی ہیں کہ دِل سے خدا و رسُول کی خوشنودی اپنی اصلاحِ حال میں تسلیم کر کے۔ گورنمنٹ کی وفاداری۔ ترقی تعلیم۔ تحفظ قوائے اور کفائت شعاری پر ٹوٹ پڑنا چاہیئے۔ صرف محبت کے لئے ہمارے سامنے ایک بڑا وسیع میدان غریب بیکس ناسمجھ جاہل مسلمانوں کا ہے۔ تھوڑی سی توجہ۔ خُدا ترسی اور منکسر المزاجی سے ہمیں اُن کے ساتھ محبت اور ہمدردی پیدا ہو سکتی ہے۔ تصویریں تو پہلے مُسلمانوں

میں ہوتی نہ تھیں اور ہوتی بھی تھیں تو خال خال۔ مگر خدا کے ناموں۔ اچھے اقوال۔ پاکیزہ اشعار وغیرہ کے طغرے اور قطعات اکثر دنی استطاعت لوگوں کے کمروں میں لگے ہُوئے ہوتے تھے مطلب یہ تھا کہ وُہ چیزیں وقتاً فوقتاً نیکی کی طرف مائل کرتی رہیں۔ اب جو زمانہ کی ضرورت کے موافق ہماری نیکیوں کی فہرست از سر نو مرتب ہوئی ہے تو ہمیں چاہیئے کہ اُس فہرست کو مختلف صُورتوں میں اپنی پیش نظر رکھیں۔ قطعوں میں۔ طغروں میں۔ سادی تحریروں میں۔ تصویروں میں۔ الغرض جس طرح ہو سکے وُہ فہرست ہماری آنکھوں کے سامنے رہے۔ کہیں یتیموں کی طرف متوجہ کرنے کا کوئی سامان ہو کہیں قوم کے جہل و تعصب کا رونا دل نرم کرنے کے لئے موجُود ہو۔ کہیں فضول خرچی کی ڈراؤنی صُورت دل دھلا دے۔ کہیں بے دینی کا مرقع خُون کے آنسو رُلا دے۔ دیکھیں کب تک اثر نہیں ہوتا۔ بادی النظر میں اس بات پر ہنسی آئیگی۔ مگر ہے کرنے کی بات اور اصلاح قلب کے مسلّم طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔ مَیں صرف ذرا نیا رنگ دیکر عرض کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ بعض اوقات خالی الذہن ہو کر اور اکیلے میں بیٹھ کر قلب کی طرف متوجہ ہو کر "ترقی تعلیم" "تحفظ قوائے" "کفائت شعاری" وغیرہ وغیرہ الفاظ کا ورد کرنا چاہیئے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اپنی عادت کے موافق دل ان چیزوں کو خود اپنے میں جگہ دے لیگا اور جب ایک دفعہ دل میں بس گئیں تو پھر ظہور میں آنا کیا مشکل ہے ایک بڑی عمدہ ترکیب دماغ و قلب کو صحیح رکھنے اور صحیح کاموں کی طرف متوجہ کرنے کی یہ ہے کہ عمدہ چیزوں۔ عمدہ کاموں۔ عمدہ لوگوں کی تعریف اکثر کرتے رہنا چاہیئے۔ اِس ترکیب کا سریع التاثیر ہونا اور اُسکے فوائد دو چار ہی دن کے تجربہ سے واضح ہو سکتے ہیں فرض کیجئے کہ صبح کے وقت ایک شخص نے پندرہ منٹ یا آدھ گھنٹہ کسی اچھی چیز۔ اچھی بات یا اچھے کام کی تعریف میں گذارا اور بعد میں اپنے معمولی دُنیاوی مشاغل میں مصروف ہو گیا تو تقریباً چھ سات گھنٹہ کے بعد اس پر خود بخود پندرہ بیس منٹ کے لئے ایسی حالت طاری ہو گی جس میں وُہ اپنے آپ کو بہت سی قیود سے آزاد سمجھے گا اور ترقی کر سکے

لئے مستعد و تیار پائیگا۔ برعکس اس کے اگر کسی بُری اور نفرت انگیز چیز کے متعلق وقت صرف کیا ہے اور بیزاری اور غصہ پیدا ہوا ہے تو وہی سات آٹھ گھنٹے کے بعد پستی کا ایک حملہ ہوگا جس میں وُہ شخص اپنے تئیں بہت سی باتوں سے مجبور مظلوم اور مقید تصور کریگا اور یہ سب ترقی کے دشمن جاتی ہیں ان عملی تجاویز سے جو صرف بذریعہ قوائے اندرونی ہم کام میں لاسکتے ہیں۔ بہت سے ایسے موانع دُور ہو جائینگے جو ہمیں پست ہمت کرتے ہیں اور طائر ترقی بہت کچھ بلند پروازی کرنے لگیگا۔ زندگی میں عملی پاکیزگی پیدا کرنے کی ایک اندرونی تدبیر یہ ہے کہ ماں بہن۔ بیٹی بامثل انکے اور متبرکات کا خیال اکثر دل میں رکھنا چاہیے اور انکے حق میں دُعا کرنی چاہیے۔ دُعا کے معنے ہیں قلب کو متحرک کرنا کسی ضروری خیال کے متعلق۔ آپ یہی دُعا کیا کیجئے کہ یا اللہ ہمیں تعلیم سے بہرہ ور کر۔ جسقدر باطن میں مستقل ہو کر یہ دُعا مانگئے گا اُسیقدر قلب اس سے متاثر اور چاشنی یاب ہوگا۔ اور اس پر ملمع چڑھا اور عمل کی توفیق ہوئی۔ صحت کے لئے احتیاطیں۔ غذائیں دوائیں حسب ضرورت ہر شخص استعمال کرتا ہے مگر ایک ہلکا سا نسخہ ہم بتائیں۔ اگر ماء اللحم انگوری دو آتشہ کا کام نہ دے تو جبھی کہنا۔ ہنسکر نہ ٹالئے اور صرف آٹھ دس دن استعمال کرکے دیکھئے۔ وُہ یہ ہے کہ کھانے سے ۵ منٹ قبل سے لگاکر ۵ منٹ بعد تک طبیعت کا رُخ عبادت آمیز رکھئے اور ایک شکر گذاری کی کیفیت اپنے اوپر طاری رکھئے۔ پھر دیکھئے کہ دل و دماغ کیا جلا پاتا ہے اور صحت کیسی عمدہ رہتی ہے۔ اوّل اوّل ان مشقوں کا کرنا ذرا شاق اور بے پھل معلوم ہوتا ہے مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد اُنسے فیضیاب ہو کر زبانِ حال سے یہ شعر نکلتا ہے۔ ؎ سالہا دل طلب جام جم از ما میکرد ۔ آنچہ خود داشت زبیگانہ تمنا میکرد ٭ ہمیں سب کچھ معلوم ہے۔ اپنی پستی معلوم ہے۔ اوروں کی ترقی معلوم ہے۔ مذہب کے برکات سے واقف ہیں۔ گورنمنٹ کے احسانات سے دن رات فیضیاب ہوتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہمیں کن کن چیزوں کی ضرورت ہے اور انکے

حاصل کرنے کے کیا قواعد ہیں کمی صرف اس بات کی ہے کہ ہماری عملی قوت اُسقدر نہیں جسقدر ہونی چاہیئے۔ ایک ترکیب تو عملی قوت کے بڑھانے کی یہ ہے کہ تقریروں۔ لکچروں اور مضامین سے قوم کو جگایا جائے۔ یہ جب سے شروع ہوا قوم دن بدن سنبھلتی جاتی ہے۔ میری ساری کوشش اس مضمون میں اس بات کے پیش کرنے کی ہے کہ اندرونی قوائے عملیہ کیطرف بھی توجہ کرنی چاہیئے۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص کے خیالات منتشر رہتے ہیں اور وُہ کوئی اچھا کام جسکے لئے یکسوئی درکار ہے نہیں کرسکتا۔ ہم اُسے ایک کتاب پڑھاتے ہیں جسمیں انتشار کی بُرائیاں۔ یکسوئی کی تعریفیں وغیرہ لکھی ہوئی ہیں۔ لکچر سُناتے ہیں۔ ترغیب دلاتے ہیں۔ اُن لوگوں کی مثالیں پیش کرتے ہیں جن کو اِنتشار سے نقصان پہنچا اور جو یکسوئی کی بدولت فائز المرام ہوئے۔ ان سب کوششوں سے ہم اس میں ایک جھرجھری پیدا کرتے ہیں۔ اور ایک حد تک کامیاب بھی ہوتے ہیں۔ انکو ہم بیرونی تدابیر سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب انتشار رفع کرنے اور یکسوئی پیدا کرنے کے اندرونی ذرائع بھی ہیں جو ان بیرونی تدابیر سے مستغنی ہیں اور ان سے بدرجہا زیادہ سریع الاثر ہم اُسی آدمی کو فوراً چند ضروری قواعد روزمرہ کی زندگی کے بتاتے ہیں اور یہ کہ وُہ اپنے اندرونی قوائے سے کام لے۔ دن رات میں صبح وشام مگر زیادہ تر صبح کا وقت نیچر کے سکون کی حالت میں ہونے کا ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں اُس شخص کو چاہیئے کہ تنہائی میں تھوڑی دیر بیٹھ کر خاموشی کے ساتھ۔ کوئی ایک لفظ۔ ایک فقرہ۔ ایک خیال لیکر اُسپر غور کرے۔ اور پھر چھوڑ کر اپنے اور کاموں میں مصروف ہو۔ پھر دُوسرے روز ایسا ہی کرے۔ اور اِسی طرح چند روز کرتا رہے۔ یکسوئی کی عادت ہوجائیگی۔ محض مبتدی کے لئے سب سے آسان ترکیب یہ ہے کہ سانس کی ضربوں کو گنے۔ سانس ایک ہلکی سی ضرب نیچے دیتا ہے ایک اوپر۔ انکی طرف توجہ کرے۔ رفتہ رفتہ یکسوئی پیدا ہوجائیگی۔ ان تفکرات۔ تخیلات اور تشفیات کا ایک مستقل فن ہے اور

اسکے سیکھنے سے آدمی بجائے غلام ہونے کے اپنا آقا ہو سکتا ہے۔ آدمی آدمی بن سکتا ہے۔ ہمارے ہاں تھا مگر اب مُردہ ہے۔ امریکہ میں آج لاکھوں آدمی اُسے عمل میں لا رہے ہیں اور ترقی کی کوئی منزل انہیں دشوار گذار نہیں معلوم ہوتی۔ اس کی تائید میں ایک ذاتی واقعہ عرض کرتا ہوں۔ امریکہ کے ایک لائق اہل دل ڈاکٹر کوس ٹربنل صاحب جو فلسفہ اور طبعیات میں ید طُولیٰ رکھتے ہیں اور وہاں کے کئی اضلاع کے مقتدا مانے جاتے ہیں۔ کئی سال ہُوئے ہندوستان میں تشریف لائے تھے۔ نینی تال آئے تو میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دس بیس ہندو مسلمان اور بھی موجُود تھے۔ یہ ذکر شروع ہوا کہ ہندوستان میں قومی محبت بہت کم ہے انہوں نے کہا کہ میں اسکی اندرونی عملی تدبیر بتاؤنگا۔ دُوسرے دن شام کے وقت ہم سب کو ایک علیحدہ جگہ لے گئے۔ حلقہ کیا یعنے سامنے آپ بیٹھے اور گرد و پیش ہم سب کو بٹھایا۔ آنکھیں بند کرائیں اور کہا کہ قلب کیطرف متوجہ ہو کر یہ تصوّر کرو کہ ہم میں سے ایک درخت پیدا ہو کر کل عالم پر سایہ کرتا ہے۔ کوئی دس منٹ تک ہم لوگوں نے ایسا کیا کبھی کبھی طبیعت بٹ بھی جاتی تھی مگر ایک عجیب سرور معلوم ہوا اور اُنکے جانے کے بعد بھی فرداً فرداً ہم میں سے بعض نے ایسی نشستیں کیں اور قوائے اندرونی کے جلا سے اپنے میں بمقابلہ پہلے کے ہمت اور ہمدردی وغیرہ کے مادہ کو زیادہ پایا۔ جو لوگ اپنے لئے قوم کے لئے۔ مُلک کے لئے۔ مذہب کے لئے کچھ کرنا چاہتے ہیں وُہ ضرور اس فن کی طرف توجہ کریں۔ اوّل اوّل مبتدی کو غذا کا اعتدال بھی نہائت مفید ہوتا ہے۔ اُن غذاؤں۔ صحبتوں اور مشاغل سے جو بے اعتدالیوں کیطرف لیجاتی ہیں چندے بچنا چاہئے۔ اعتدال خود انسان میں موجُود ہے۔ جہاں ان غیر معتدلات کو قابُو میں کیا اور اندرونی جوہر چمکنے لگے۔ پھر دیکھئے زندگی کا غبارہ کتنا اُونچا جاتا ہے۔ حُسن اتفاق اور خوبی تقدیر سے مذہباً ہمیں خدا ایسا مکمل اور ہر قوت کا خزانہ

بتایا گیا ہے کہ اپنے تصورات۔ تفکرات اور تخیلات میں ہم اپنی ہر ضرورت کیواسطے اور ہر قوائے اندرونی کو جلا دینے کے لئے خدا کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ اگر محبت کے مادہ کو جلا دینی ہے تو خدا سے زیادہ سرچشمہ محبت کا اور کون ہو سکتا ہے۔ عدل کے خیال کو پکانے کے لئے اُس سے بہتر اور کون ملیگا۔ ہمت کی کلید سوائے اس کے اور کس سے مل سکتی ہے۔ الغرض جسقدر زیادہ ہم اپنے میں خدا کا ایر پھیر رکھینگے اور خیالات الفاظ اور دعائیں مناسب ضرورت معین کر کے سرچشمہ حیات یعنے ذات باری کی طرف توجہ کرینگے اُسیقدر زیادہ ہماری زندگیاں سوسائٹی کے لئے مفید ثابت ہونگی۔ یہ کام آسان بھی ہے۔ مشکل بھی ہے +

فاصلہ کوچہ محبوب کا کیا پوچھتے ہو + جیسا مشتاق ہو نزدیک بھی ہے دور بھی ہے

---

**عادت کا اثر**۔ عادت فطرتِ انسانی کا ایک نہایت پیچیدہ قانون ہے کبھی ہمارے لئے باعثِ قوت ہے اور کبھی باعثِ ضعف۔ اگر ایک راستہ سے انسان ایک دفعہ سب چیزوں کو بغور دیکھتا ہوا گذرے اور منزل مقصود پر کامیابی کے ساتھ پہنچ جائے تو دوسری دفعہ اُس طرف گذرتے ہوئے قدم خود بخود اسی راہ کی طرف کھنچے جاتے ہیں۔ اور اپنے پہلے نقشِ قدم پر چلنا کسی اور راستہ سے آسان معلوم ہوتا ہے۔ اس قانونِ عادت اور ایک دوسرے ایسے ہی زبردست قانون قانونِ تقلید۔ پر ہمارے اخلاق کی بنیاد ہے۔ یہ دونو خاصیتیں ہم میں ہر وقت ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ اِن کے ذریعے سے ہم کام کرتے اور کام سیکھتے ہیں اور یہی علم اور عمل کی محرک ہیں +

(کارلائل)

# لُطفِ سخن

(۱)

حُسنِ فروغِ شمعِ سخن دُور ہے اسدؔ
پہلے دلِ گداختہ پیدا کرے کوئی

اِنسان کا دماغ جب بکمال اور صحت کی حالت میں ہو تو ضرور ہے کہ سخن فہمی کا مادہ۔ سخن کی خوبیوں کے اندازہ کرنے کی قابلیت اور اُس کی داد دینے کی لیاقت اُس دماغ کا ایک وصف ہو۔ جس دماغ میں یہ مادہ مفقود پاؤ تو بلا شک یہ نتیجہ نکال لو کہ وہ دماغ حالتِ کمال سے گرا ہوا ہے یا حالتِ صحت سے متجاوز ہے اور کیوں نہ ہو؟ قوّت متخیلہ جو خیالات کی رنگینیوں اور مضامین کی گلکاریوں کا ماخذ ہے وہ دماغ انسانی کی ایک نہایت ضروری اور اہم قوّت ہے۔ اس قوّت کے صحیح و سالم اور قوی ہونے پر ہی مضمون آفرینی بہت کچھ موقوف ہے اور اسی قوت پر اُن مضامین کا سمجھنا اور اُن سے لُطف اُٹھانا بہت کچھ منحصر ہے۔ گویا سمجھنے والے اور لُطف اُٹھانے والے میں بھی قوّت متخیلہ کا ہونا ویسا ہی ضروری ہے جیسا کہ خود سخن گو اور مضمون آفریں میں۔ جو شخص فہمِ سخن سے عاری ہے اُسکو قوّتِ متخیلہ سے عاری سمجھنا چاہیئے یعنے اُسکے دماغ کی ایک بڑی بھاری قوت قریبًا معدوم ہے۔

ہم نے اُوپر لکھا ہے کہ مضامین کا پیدا کرنا اور سمجھ سکنا دونوں بہت کچھ قوّتِ متخیلہ پر منحصر ہیں۔ اِسکے یہ معنے کہ مضمون آفرینی اور خصوصًا شاعری اور دادِ سخن دینے کی قابلیت ایک اور صفت کو بھی چاہتی ہیں اور وُہ قلبِ اثر پذیر ہے اِسی کی ضرورت کی طرف وہ شعر اشارہ کرتا ہے جس کو ہم نے اِس تحریر میں نسیبِ

عنوان کیا ہے۔ جو شخص "قلبِ اثر پذیر" نہیں رکھتا وہ نہ انسانی "تاثرات" اور جذبات کی تصویر کھینچ سکتا ہے اور نہ ایسی تصویروں کی جب وہ کھینچی جائیں قدر و منزلت کو سمجھ سکتا ہے۔ پس لُطفِ سخن کے پیدا کرنے کی دو سب سے مقدم ضرورتیں صحیح و سالم اور قوی قوت متخیلہ اور قلبِ اثر پذیر ہیں۔

آخر یہ شے جس سے ہر صحیح و کامل دماغ اُنس رکھتا ہے اور جس کی دُھن میں بعض بڑے سے بڑے دماغ ہمہ تن مصروف رہے ہیں اور رہتے ہیں۔ کیا ہے۔ یعنے جس شے کو لطفِ سخن کہہ سکیں وُہ فی نفسہٖ کیا شے ہے۔ آیا وہ کوئی شے الفاظ میں ہے یا الفاظ کے مغز یعنے معنی میں ہے یا الفاظ اور معانی دونو میں؟ کیا اسکے پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ ہے؟ کوئی قاعدے ہونے ممکن ہیں جنپر کاربند ہونے سے وُہ پیدا ہو یا محض اتفاقی امر ہے کہ وُہ پیدا ہو جاتی ہے؟ ان سوالات پر ہم اختصار کے ساتھ بحث کرینگے اور اُردو اور فارسی کے شعرا کے نتائجِ افکار سے مثالیں پیش کرکے ناظرین کے رُوبرو ان معاملات کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کرینگے۔

لُطفِ سخن کبھی الفاظ میں ہوتا ہے کبھی معانی میں اور اکثر الفاظ اور معانی دونو میں مجموعی طور پر۔ لُطفِ سخن کی کوئی علمی حد یا تعریف قائم کرنا ایک ایسا ہی کام ہے جیسا بُوئے گل کی تعریف کرنے کی کوشش کرنا۔ جس طرح برقی رو کے وجُود کو مقیاس البرق (گلوانامیٹر) فوراً محسوس کر لیتا ہے۔ اسی طرح لطفِ سخن کو ذوقِ سلیم محسوس کر لیتا ہے اور صاحبِ مذاقِ سلیم عموماً بتلا سکتا ہے کہ وُہ کسی خاص کلام میں کس شے کو پڑھ کر یا سُنکر پھڑک اُٹھا ہے کہ یک بیک ہمہ تن تحسین و آفرین ہو گیا ہے حتّٰے کہ جامۂ صبر و قرار سے نکلا جاتا ہے۔

**لُطفِ سخن الفاظ میں** اگر لطفِ سخن کے حصّہ لطفِ الفاظ پر علیحدہ غور کیا جائے۔

تو معلوم ہوتا ہے کہ لُطفِ الفاظ دو قسم کا ہے اوّل وُہ لُطفِ الفاظ جو صنائع لفظیہ کے استعمال سے پیدا ہو۔ دُوسرے وُہ جو بلا استعمالِ صنائع ہی پیدا ہو۔ لُطفِ صنائع ایک ایسی شئے ہے کہ اسکے پیدا کرنے کے لئے ذوقِ سلیم کا درجۂ کمال ضرور ہے۔ ورنہ جسقدر طُوفانِ بے تمیزی صنائع لفظیہ کے ذریعے سے مچ سکتا ہے اُسقدر اَور کسی صُورت سے شائد ممکن نہ ہو۔ یہ صاف صاف سمجھ لینا چاہئے کہ لفظی صنعت ایک شئے ہے اور لفظی خُوبی دُوسری شئے۔ ہم صنعت اور خوبی میں فرق کرتے ہیں۔ مثلاً صنعت مراعات النظیر[1] ایک عام سے عام صنعت ہے مگر کتنے کم ہیں وُہ لوگ جو اس صنعت کو خُوبصُورتی اور خوش ادائی کے ساتھ برتتے ہیں۔

لفظی صنائع میں سے بعض تو وہ صنعتیں ہیں جنکو دراصل شاعری اور لطفِ سخن سے کچھ تعلق نہیں۔ وُہ خشک مغز ملّاؤں نے اطفالِ مکتب کے دِل بہلاوے اور اپنی لیاقت نمائی کے لئے گھڑ دی ہیں اور اُنہی لوگوں کو وہ مبارک ہیں۔ ضروری نہیں کہ اُنکا برتنے والا مادہ شعر بھی رکھتا ہو اور نہ اُنکو سمجھ سکنا اس امر کی دلیل ہے کہ سمجھنے والا شعر و سخن کا ذوقِ سلیم رکھتا ہے۔

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

مثلاً صنعت معمّہ ایک مہمل شئے ہے؛ تو شیخ لڑکوں کا کھیل ہے۔ واسع الشفتین کا یہی حال ہے۔ علیٰ ہذا القیاس

یہ صنائع لطفِ سخن کی مؤیّد ہونا تو درکنار لطفِ سخن کی قاتل ہیں:۔ مثلاً

[1] مراعات النظیر کو لفظی صنعت کہنا شائد اس قدر بجا نہیں جسقدر معنوی صنعت سمجھنا۔ مگر یہاں ذکر صنعت اور خوبی کا ہے نہ کہ لفظی صنعت اور لفظی خوبی کا ۱۲

ایک مشہور مصرع ہے ع شکر بہ ترازوئے وزارت برکش - اس کی بڑی خوبی جس پر مصنّف کو ناز ہوگا یہ ہے کہ اس کو حرفِ اخیر سے شروع کرو اور ہر حرف کو ترتیب وار پیچھے کو پڑھتے جاؤ تو بھی یہی مصرعہ بعینہٖ بن جائیگا - خوب! مگر اس کے معنے ؟ اَلمعنے فی بطن الشاعر بھی یہاں نہیں کہہ سکتے - ایسی صنعت سے حاصل کیا جو معنے اور مضمون کی دشمنِ جان ہو -

ہم ان صنائع کا تو ذکر ہی چھوڑ دیتے ہیں جو بے معنے اور مہمل اور تضیعِ اوقات کا ذریعہ ہیں - اور ان صنائع کا ذکر کرتے ہیں جو مفید اور کارآمد اور لطفِ سخن کی موید ہیں - ہم اصطلاحی الفاظ برتیں گے - مگر اصطلاحی معنی کی پابندی نہ کرینگے - کیونکہ ہم ان اصطلاحات کے اطلاق کو وسعت دینا چاہتے ہیں - اور چونکہ صنائع کا تذکرہ چل پڑا ہے اس لیے ہم ان چند صنائع کا ذکر بلاتمیزِ صنعتِ لفظی یا صنعتِ معنوی ایک ہی سلسلہ میں کر دیتے ہیں اور مثالیں دیکر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ لطفِ کلام پر ان صنائع کا کیا اثر پڑتا ہے -

**مراعات النظیر** ہم ابھی لکھ آئے ہیں کہ مراعات النظیر ایک نہائت عام مستعمل صنعت ہے - ہم ذرا اس کے کرشموں کا نمونہ دکھاتے ہیں - مراعات النظیر سے مراد ہے ایسی کئی اشیاء کا اکٹھا ذکر کرنا جو موجودات کے سلسلے میں ایک دوسرے سے قریب ہیں اور مناسبت رکھتی ہیں :- مثلاً آسمان - ستارے - سورج - چاند - ابر - برق وغیرہ کہ سب کی سب عالمِ بالا کی بڑی بڑی چیزیں اور انسانی مشاہدے میں ایک دوسرے سے متعلق ہیں - اس صنعت کے لطف کا نکتہ یہ ہے کہ انسان کی قوائے عقلیہ - فطرتی طور پر ایک شئے کو دوسری شئے کے پیرائے میں دیکھ کر خوش ہوتی ہیں - مثلاً ذیل کی اخیر مثال کو دیکھئے کہ انسان کی زندگی کو بہارِ باغ کے پیرائے میں دکھلایا گیا ہے - اصول یہ ہے مگر جیسا کہ ذیل کی مثالوں

سے ظاہر ہوگا عمل میں اس اصول کو وسعت دی گئی ہے بلکہ اس سے تجاوز بھی کیا گیا ہے۔ یہی اصول تشبیہہ اور استعارہ کا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جب معنوی پہلو کو دیکھتے ہو تو استعارہ اور تشبیہہ کہہ لیتے ہو۔ لفظی پہلو کو دیکھتے ہو تو مراعات النظیر نام رکھ دیتے ہو۔ اس کی مثالیں دیکھئے:۔

اے چشم دیکھ عشق کی پردہ دری نہ کر
ہر تار اشک سلک گہر ہائے راز ہے

---

ہے باغ باغ بلبل جس طرح تو چمن میں
پھرتے تھے یوں ہی ہم بھی خوش خوش کبھی وطن میں
راتوں کو مثل شبنم چھپ چھپ کے باغباں سے
ہر پھول سے لپٹ کر روتا ہوں میں چمن میں

(امیر)

---

بادِ ہوائے یار نے کیا کیا نہ گل کھلائے
آئی چمن سے نکہتِ گل جب صبا کے ساتھ
وُہ لالہ رو گیا نہ ہو گل گشت باغ کو
کچھ رنگ بوئے گل کے عوض ہو صبا کے ساتھ

(مومن)

---

تلخکام عشق شیریں لب جئے تو کیا ہوا
شور بختی سے مزا ہی زندگی کا جائے ہے

(مومن)

---

دیکھتے ہیں جلوہ گلہائے رنگا رنگ ہم
مثل نرگس جب تلک ہے اس چمن میں چشم وا
آخرش ہوگا وہی اک دن خزاں کے ہاتھ سے
جو کہ عالم اپنا اس نشو و نما سے پہلے تھا
ہے غنیمت کوئی دن نظارہ رنگ بہار
پھر کہاں یہ گلشن اور گل اور یہ سبزہ یہ ہوا

(ذوق)

---

**حسن التعلیل** یہ صنعت ایک عجیب چیز ہے۔ شاعر دیکھتا ہے کہ فلاں شئے اس طرح ہوتی ہے۔ اس قدر تو ہر ایک شخص دیکھتا ہے لیکن شاعر اُس شئے کے وقوع کے ایک شاعرانہ معنے نکالتا ہے اور ایک شاعرانہ سبب یا وجہ پیدا کرتا ہے۔ یہ حسن التعلیل ہے۔ مثلاً شفق کیا ہے؟ شفق شفق ہے اور کیا ہے۔ کسی سے پوچھ لو۔ مگر شاعر کہتا

ہے "نہیں"۔

شفق سمجھا ہے اُسکو ایک عالم وائے بیدردی    فلک کو گرد بگولہ جا لگا خاکِ شہیداں کا

(ناسخ)

---

گھڑیال کو سننے کو تو سب سنتے ہیں۔ مگر شاعر جو سنتا ہے تو کچھ اور ہی سمجھتا ہے۔

عزیزو اس کو نہ گھڑیال کی صدا سمجھو    یہ عمرِ رفتہ کی اپنی صدائے پا سمجھو

---

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی    گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی

---

بڑھاپے کی خم کمری کی کیا وجہ ہے؟

ہو جاتی ہے زیادہ گرانباریٔ گناہ    پیری میں ہو خمیدہ نہ کیوں زیر بار پُشت

(ذوق)

---

لعل کے بدخشان سے نکلنے اور مُلک دُر مُلک مارا مارا پھرنے کی وجہ سُن لیجئے۔

اہلِ جوہر کو وطن میں رہنے دیتا گر فلک    لعل کیوں اس رنگ سے آتا بدخشاں چھوڑ کر

(ذوق)

---

شمع بجھتی ہے تو اُس سے بھی شاعر کچھ نہ کچھ سیکھتا ہے۔

زبانِ اہلِ زباں میں ہے مرگ خاموشی    یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانیِ شمع

(غالب)

---

شمع کی لو جو کانپتی نظر آتی ہے اُس کا سبب کیا ہے۔

غم اس کو حسرتِ پروانہ کا ہے اے شعلہ    ترے لرزنے سے ظاہر ہے ناتوانیِ شمع

(غالب)

---

رنگِ گل کو سب رنگِ گل سمجھتے ہیں۔ مگر شاعر کہتا ہے کہ سب دھوکے میں ہیں وہ اُس کو نالہ سمجھتا ہے۔

جو تھا سو موجِ رنگ کے دھوکے میں مر گیا    اے وائے نالۂ لبِ خونیں نوائے گُل

(غالب)

اس شعر میں غالب کا خیال جرمنی کے سرآمد شعرا گیٹے سے جا لڑا ہے جو اسی طرح پر فنِ تعمیر کو "موسیقی خاموش" کہتا ہے۔ اسی قسم کا خیال میڈیم ڈی سیٹل نے ظاہر کیا ہے جو فنِ تعمیر کو "موسیقی منجمد" کہتی ہے۔ مگر ان دونو کے خیال سے غالب کا خیال بہت بڑھ گیا ہے۔ کیونکہ وہ دونو جس موسیقی کا ذکر کرتے ہیں۔ اسکو وہ نہیں سن سکتے۔ مگر غالب نالہ رنگِ گل کو سنتے ہیں اور افسوس کرتے ہیں کہ اور لوگ کیوں اس کو دھوکے سے رنگ سمجھتے رہے۔

مہندی لگانے سے جو ہاتھ سرخ ہو گیا ہے اُس کی وجہ ملاحظہ ہو۔

تکلیف سے جوں پنجۂ گل لالہ ہوا ہاتھ نازک ہے وہ بس چھوڑ دے ایک رنگِ حنا ہاتھ

(مومن)

**طباق یا تضاد** اس صنعت کی اس طرح تعریف کی جاتی ہے کہ ایسے الفاظ کا ذکر شعر میں کرنا جو ایک دوسرے کے متضاد اور مخالف اشیاء سے متعلق ہوں۔ یہ صنعت بھی کلام میں عجب لطف پیدا کرتی ہے۔ اس صنعت سے جو کچھ زیادتی لطف کلام میں ہوتی ہے اسکی بنا انسان کی قوائے عقلیہ کے اس اصول پر ہے کہ تخالف اور تقابل سے اشیاء کی اپنی اپنی وقعت اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے اسی وجہ سے عربی میں یہ مقولہ مشہور ہے کہ "اَلْاَشْیَاءُ تُعْرَفُ بِاَضْدَادِھَا" اور علم طبعی کا مسئلہ ہے کہ "رنگ تقابل کی وجہ سے اور بھی چمک اُٹھتے ہیں"۔ اس کی مثالیں ملاحظہ فرمائیے :-

خدا کو میں نے پہچانا ہے شیدائے بتاں ہو کر دکھائی راہِ حق اصنام نے سنگِ نشاں ہو کر

(حامد علیخاں لکھنوی)

---

بت میں بھی دیکھتے ہیں نورِ خدا کا جلوہ واعظو! حق کسے جانیں کسے باطل سمجھیں

(امیر)

---

عدم سے جانبِ ہستی تلاشِ یار میں آئے ہوائے گُل میں ہم کس وادیٔ پُرخار میں آئے

(آتش)

---

واں گیا بھی مَیں تو اُنکی گالیوں کا کیا جواب یاد تھیں جتنی دُعائیں صَرفِ دربان ہو گئیں

(غالب)

---

کیا ہی دیندار اُس صنم کو ہزاروں طعنوں اُٹھا اُٹھا کر لگائیں وُہ تہمتیں کہ بولا خُدا خُدا کر خُدا خُدا کر

(داغ)

**ایہام**[1] یہ صنعت ہماری نظم و نثر میں بہت مستعمل ہے۔ اور اس سے اکثر کلام میں عجیب لُطف پیدا ہوتا ہے۔ اس سے مُراد ہے ایک لفظ کو استعمال کرنا جس کے دو معنے ہو سکتے ہوں۔ جن میں سے ایک کی طرف ذہن جلد مائل ہو۔ اور دُوسرے کی طرف ذرا دیر میں اور تامّل کے بعد۔ لیکن مراد دوسرا معنی ہو۔ مثالیں:-

گذر اُس پری کا ہے اکثر چمن میں درختوں کو سایہ ہُوا چاہتا ہے

(ناسخ)

اِس مثال میں یہ صنعت اپنی نہایت سادہ اور ابتدائی شکل میں استعمال ہوئی ہے۔ مگر صنعتِ ایہام کو دراصل بہت وسعتیں دی گئی ہیں اور ان وسعتوں کی بدولت لُطفِ کلام دوبالا ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کا ایک لفظ کو ایک معنی میں بولنا۔ دُوسرے شخص کا جواب میں اُسی لفظ کے دُوسرے معنے لیکر اس پہلو سے ایک فقرہ چُست کر دینا۔ اس کی دو مثالیں مُلاحظہ ہوں:-

جو کہتا ہوں اُس سے کہ سُن شعر میرے تو کہتا ہے کیا کچھ سُنا چاہتا ہے

(ناسخ)

---

کہا مَیں نے اَے جاں تو بولے چہ خوش کہو کب سے مَیں بے وفا ہو گیا

(مجروح)

---

[1] ہم نے لفظ ایہام کو انگریزی لفظ PUN کا مرادف ٹھہرایا ہے ۱۲

گذر کس صنم کا ہوا بتکدے میں — کہ بت بن گئے آج سب برہمن بھی

(اقبال)

---

مومن نہ سہی بوسہ یا سجدہ کرینگے — وہ بت ہے جو اوروں کا تو اپنا بھی خدا ہے

---

"قتل ہو کر ہم بچے آزار سے — عمر کے دن کٹ گئے تلوار سے

(مومن)

---

رشکِ دشمن نے بنا دی جان پر ای بیوفا — کب تلک کوئی نہ بگڑے حال بگڑا جائے ہے

(مومن)

---

جا کے مسجد میں کیا ہی گھبرایا — رات کاٹی خدا خدا کر کے

(مجروح)

---

آن صنعتوں کا ذکر صرف نمونے کے طور پر کیا گیا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ ہم علم بدیع پر کوئی رسالہ نہیں لکھ رہے جو سب صنعتوں کی فہرست لکھیں یا سب کی تعریف اور تشریح کریں +

## نیرنگ

---

ترقی علم کا سب سے بڑا گر یہ ہے کہ آدمی بتدریج علم حاصل کرے۔

---

میں اپنے دماغ کو علم کی قبر نہیں بنانا چاہتا۔ بلکہ علم کا خزانہ بنانا چاہتا ہوں۔ میں علم کا ٹھیکہ لینے کا خواہاں نہیں ہوں۔ بلکہ اُس کی عمومیت کا مشتاق ہوں۔ میں مطالعہ صرف اپنی ذات کے لئے کرنا نہیں پسند کرتا۔ بلکہ اُن لوگوں کے فائدہ کے لئے جو خود مطالعہ نہیں کرتے +

(سر ٹامس برون)

# ایک بنگالی شاعرہ

ہمارے دوست مسٹر مدن گوپال اگروال - ایم - اے - ایل - ایل - بی - ایک نامور مگر جوانمرگ بنگالی شاعرہ کی زندگی کے مختصر حالات ہمیں بھیجتے ہیں - اہل بنگالہ کی تعلیمی ترقی کی حالت اِن سطور سے بہت کچھ واضح ہو جائیگی - ہندوستان بھر کے باقی حصص میں مردوں میں بھی ایسے انگریزی دان بہت کم ہیں جنکی زبان دانی کو انگریز مان جائیں - اور خصوصًا انگریزی نظم میں تو کسی ہندوستانی کا سکّہ انگریزوں پر مشکل سے بیٹھتا ہے - مگر اس عورت نے انگلستان اور فرانس کے نقادوں سے انکی زبان میں سخنوری کرکے داد سخن لی اور ایسی کم عُمر میں اپنی طباعی کا ثبوت دیا - کہ اُس عمر تک ہمارے اکثر نوجوان کالجوں کی معمولی تحصیل سے بھی فارغ نہیں ہوتے -

(ایڈیٹر)

زمانۂ حال میں دو ہندوستانی خاتونوں نے مغربی دُنیا میں ایسی نمایاں شہرت حاصل کی - جس کا نظیر نہیں - ایک تو مِس جوشی تھی - اور دُوسری مس تورودت - مِس جوشی قوم مرہٹہ کی برہمنی تھی اور اُس نے امریکہ میں فن ڈاکٹری کی تحصیل کی اور فن کے کاملوں میں اُس کا شمار ہوا - اس کی ایک سوانح عمری اُردو میں متداول ہے - اِس لیے ہم اُس کے ذِکر کو چھوڑکر مِس تورودت کا کچھ حال لکھتے ہیں -

افسوس ایک بات میں ان دونو طبّاع عورتوں کے حالات بالکل مشابہ ہیں - اور وُہ یہ کہ اِن کے ساتھ عُمر نے وفا نہ کی اور دونو اکیس بائیس سال کے سن میں زندگی کو خیرباد کہہ گئیں - اِسی قلیل زمانہ میں اُن کا بچپن - اِن کی ابتدائی تعلیم اور اِنکی تربیت ہوئی اور اسی میں ان کی قابلیت کا شہرہ ہوا - اور شہاب ثاقب کی طرح اُن کے نام کی چمک دُنیا کو اپنی ایک جھلک دکھاکر دُنیا کی نظروں سے پنہاں

ہو گئی ۔ انکی جوانمردی کا دھیان کریں اور اُس حسرت پر نظر ڈالیں جسکے ساتھ وُہ عین اُمیدوں اور آرزوؤں کے زمانے میں جہان سے اُٹھ گئیں تو خیال آتا ہے کہ اُن کا دُنیا میں آنا گیا آنا تھا وُہ اپنی کوششوں کا پھل کھائے بغیر رخصت ہوگئیں لیکن جب اُس کام کو دیکھتے ہیں جو وُہ اِس قلیل عرصہ میں کر گئیں تو جی میں آتی ہے کہ سو ایسی بیکار زندگیاں جیسی ہمارے مُلک کی اکثر عورتیں بسر کرتی ہیں۔ ان بیس بائیس سالوں پر قربان کر کے پھینک دیں۔

مس تورودت کے والد بابو گوبن چندر دت ایک بڑے تعلیم یافتہ اور عالی دماغ کلین برہمن تھے۔ اولاد کی اچھی تربیت کے خیال پر مٹے ہوئے تھے۔ اور اولاد بھی ایسی پائی تھی۔ کہ ذہانت اور ذکاوت میں لاجواب تھی۔ مگر قسمت نے اولاد کے صدمے بھی انکے لئے ایسے لکھے تھے کہ خدا کسی باپ کو نہ دکھاوے۔ پہلے تو انکا ہونہار اکلوتا لڑکا ۱۴ برس کی عمر میں مرگیا۔ باپ کو عمر بھر کے لئے داغ دے گیا۔ اور اپنی دو بہنوں کے دل پر بھی وہ داغِ حسرت چھوڑ گیا۔ جسے وُہ مرتے دم تک نہیں بھولیں۔ دونو بہنوں کو زندگی وبال معلوم ہونے لگی۔ البتہ باپ کی دلجوئی کو وُہ فرض سمجھتی تھیں اور اس کا غم غلط کرنے کی کوشش میں اُنکا اپنا بھی غم غلط ہو جاتا تھا۔ مس ارو عمر میں مس تورو سے اٹھارہ مہینے بڑی تھی۔ مِس تورو ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئی۔ بچپن تو کلکتہ میں والد کی کوٹھی میں گذرا۔ سوائے اس کے کہ پڑھنے کا مشغلہ رہا ہو اور کوئی بات اُس کی سوانح میں اس وقت تک قابلِ ذکر نہیں ہے۔ جب یہ تیرہ برس کی تھی۔ تو بابو گوبن چندر نے سفرِ یُورپ کا عزم کیا اور دونو بیٹیوں کو بھی ساتھ لے گئے۔ ایک تو اِس لئے کہ وُہ انہیں جُدا نہیں کرنا چاہتے تھے اور زیادہ تر اس لئے کہ انہیں یہ آرزو تھی کہ اگر بیٹے کو یُورپ میں تعلیم پانا نہیں نصیب ہوا تو لڑکیوں کو تو یہ موقعہ دیا جائے۔ اور وُہ

زبانِ انگریزی و فرانسیسی کو اہلِ زبان سے سیکھ کر اس میں مہارت تامہ حاصل کرلیں
مِس تورو نے زباندانی کے خاص مذاق کا ثبوت دیا اور یورپ کے قیام کے عرصے
میں دونو زبانیں اس عُمدگی اور آسانی سے بولنے لگی ۔ کہ گویا ماں کی گود میں اسکے
کان انہی زبانوں سے آشنا ہُوئے تھے اور اُس کی گھُٹی میں یہ زبانیں اُسے گھول کر
پلائی گئی تھیں ۔ فرانسیسی زبان اور ادب کو وہ انگریزی سے زیادہ پسند کرتی
تھی ۔ اور اس سبب سے وُہ فرانس کے شعرا کے کلام سے زیادہ ذوق رکھتی
تھی ۔ سنہ ۱۸۶۹ء سے سنہ ۱۸۷۳ء تک یہ خاندان یُورپ میں رہا ۔ مِس تورو نے
پہلے فرانس کے ایک سکول میں چند ماہ تعلیم پائی ۔ پھر اٹلی کی سیر کی ۔ اِس کے
بعد انگلستان میں پہنچکر کیمبج یونیورسٹی میں لکچر سُنے ۔ غرض وطن کو واپس آتے
وقت مِس تورو کا دامنِ خیال مغرب کے علم ادب کے گلہائے رنگارنگ سے پُر
تھا اور اس کا شاعرانہ دل اپنے ملک اور ابنائے ملک کے فائدہ کے لئے کچھ
علمی خدمت کرنے کے جوش سے تڑپ رہا تھا اور جو چار سال کے قریب اُسنے
ہندوستان میں آکر زندگی پائی اُس کا بیشتر حصہ علمی کام میں صرف کیا ۔

مِس تورو نے پہلے بنگالی زبان میں تصنیفات کا قصد کیا ۔ اور اس مطلب کے
لئے سنسکرت کی تحصیل شروع کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں اسمیں اچھی خاصی لیاقت بہم
پہنچالی ۔ مگر پھر بھی بنگالی زبان میں اپنے خیالات اور جذبات کے لئے کافی جولانگاہ
نہ دیکھ کر انگریزی و فرانسیسی میں لکھنا شروع کیا ۔ اوّل تو اخباروں کے لئے کچھ
مضمون لکھے ۔ پھر چند فرانسیسی مضمونوں کو انگریزی میں ترجمہ کرکے ہدیۂ ناظرین کیا ۔ اور
اُس مجموعہ کا نام رکھا "خوشۂ خرمنِ فرانس" اس کے بعد فرانسیسی میں طبعزاد نظمیں اور
انگریزی میں بعض چھوٹی چھوٹی مگر نہایت بامذاق نظمیں لکھیں ۔ اتنے میں اسکے
نازک دل پر ایک ایسی ٹھیس آئی ۔ جس سے یہ جانبر نہیں ہُوئی ۔ اس کی بڑی بہن

اورو نے جس سے اسے کمال محبت تھی اور جو شاعرہ تو نہ تھی مگر فنون لطیفہ میں دخیل تھی اور خصوصاً مصوری میں طاق تھی - اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ایک ناول کی جو تورو نے لکھا تھا تصویریں بنائے گی اور دونو بہنیں اس طرح مِلکر اس کتاب کو پُورے انگریزی نمونہ پر باتصویر چھپوائیں گی - مگر بیشتر اس کے کہ یہ دلچسپ اقرار پُورا ہو - آورو کو آسمان سے بُلاوا آگیا - اور وہ ۱۸۷۶ء میں راہیٔ ملکِ بقا ہوئی اس صدمہ کے بعد تورو بھی رفتہ رفتہ مُرجھاتی گئی اور ۳۰ - اگست ۱۸۷۷ء کو ۲۱ - برس چھ مہینہ اور چھبیس دن کی عمر میں اس جہان سے چل بسی -

بسترِ مرگ پر بھی پڑھنے کے شوق نے ساتھ دیا - بیماری کے دنوں میں یورپ کی تازہ تصانیف ہر وقت اُسکے سرہانے رہتی تھیں - ایک کتاب مس بیڈر کی قدیم ہندوستان کی عورتوں کی سوشل حالت کے بیان میں انہی دنوں میں نظر سے گذری - چاہا - کہ انگریزی میں ترجمہ کر ڈالے - مصنفہ کو لکھا کہ ترجمہ کی اجازت دے اُس نے جواب نہائت خوش خلقی سے دیا - اسی حالتِ بیماری میں فرانسیسی زبان میں ایک چٹھی شکریہ کی مس بیڈر کو لکھی - اس رقعہ کی نثر نظم سے زیادہ دلچسپ ہے - اسکے مرنے کے بعد جب اسکے مہجور اور بدنصیب والد نے اسکے کاغذات کا ملاحظہ کیا - تو معلوم ہوا کہ بہت سی تصنیفات چھوڑ مری ہے - کئی کہانیاں نظم میں لکھ گئی - ایک ناول فرنچ زبان میں مکمل ملا - جسکی تصویریں اسکی بہن نے بنانیکا وعدہ کیا تھا - ایک ناول انگریزی میں ملا - مگر ناتمام - یہ اندازہ لگانا کہ اس طبّاع عورت کے بے وقت مرنے سے ملک کو اور لٹریچر کو کس قدر نقصان ہوا محال ہے - اس تھوڑے زمانہ کے کام کا یہ اثر ہے کہ مسٹر اڈمنڈ گاس صاحب اسکے کام پر تنقید لکھتے ہُوئے کہتے ہیں - کہ انگریزی یا فرانسیسی کے علم ادب کی کوئی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی - جب تک اسمیں ایک صفحہ اس غنچہ ناشگفتہ کی تعریف سے پُر نہ ہو - گو مس تورو چل بسی - مگر اُس کا کلام قائم رہنے والا ہے اور ہم کو اُسکے نام پر ناز کرنیکا حق ہے - گو افسوس ہے کہ فرانس اور انگلستان میں یہاں کی نسبت زیادہ لوگ مس تورو کے نام سے آشنا ہیں *

# مشتاقِ دہلوی

دہلی کے ایک نامی شاعر کے مختصر حالات جنکے خاندان کو قدیم سے نظم کے ساتھ ایک خاص مناسبت چلی آتی ہے۔ ہم تذکرہ "شعرائے ریختہ" مؤلفہ لالہ سری رام صاحب ایم۔ اے۔ سے جو زیرِ تالیف ہی نہیں بلکہ قریب الاختتام ہے۔ نقل کر کے ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ اگلے رسالہ میں شاعرِ موصوف کا کچھ کلام بھی درج ہوگا جو عموماً سادگی کے ساتھ جدت کی صفت لئے ہوتا ہے۔
(ایڈیٹر)

منشی بہاری لعل صاحب مشتاقِ دہلوی کے خاندان کے متعلق اتنا لکھنا کافی ہے کہ منشی گھنشام رائے صاحب عاصی شاگردِ رشید حضرت شاہ نصیر صاحب دہلوی منشی صاحب موصوف الصدر کے حقیقی نانا تھے۔ جناب عاصی اول تمام معرکہ کے مشاعروں میں شریک تھے۔ جن میں خاقانی ہند ذوق نے اپنے استاد شاہ نصیر کی زمینوں میں غزلیں اور قصیدے کہکر علمِ استادی بلند کیا تھا۔ چنانچہ انکا حوالہ اکثر پرانے تذکروں اور نیز بعض بعض غزلیات سے چلتا ہے جناب مشتاق کے حقیقی ماموں منشی مکند لعل خاتم بہادر شاہ ثانی کے مصاحبوں میں درجہ اختصاص رکھتے تھے اور سرکار شاہی میں میر منشی گری کے عہدے پر سرفراز تھے جناب مشتاق نے انہیں عالی مقام بزرگوں کے زیرِ سایہ تعلیم پائی ہے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد فیضانِ صحبت حضرت غالب مغفور سے شعر گوئی کا شوق ہوا۔ ابتدا سے کسبِ کمال کا ذوق تحصیل فنون کا شوق رہا ہے۔ فطرت نے انکی طبیعت میں ایک خاص مذاق اس فن کی تحصیل کا ودیعت کیا تھا اُستاد مغفور کی تربیت اور توجہ نے سونے پر سہاگے کا کام دے کر جوہرِ طبع کو جلا دی انکی وفات تک جو کچھ کہا انہیں کی نظر کیمیا اثر سے گذرا۔ نکاتِ شاعری و عروض کی تحصیل بھی انہیں سے کی۔ نثر طرازی میں بھی معقول دستگاہ رکھتے

ہیں - وہ ہے اور کبت بھی لاجواب کہتے ہیں - اب عرصہ سے جو کچھ لکھتے ہیں اسمیں خواجہ الطاف حسین صاحب حالی سے مشورہ کر لیتے ہیں - ایک مدت دراز تک ارسطوئے زمان حکیم محمود خاں صاحب کی سرکار میں منسلک رہے اب پندرہ سال سے رائے بہادر سری کشن داس صاحب گوڑوالہ رئیس اعظم دہلی کی سرکار میں معتمد ہیں - نہایت منکسر مزاج، راستی پسند، صلح کل اور حلیم الطبع بزرگوار ہیں - سن شریف اب ساٹھ سال کے قریب ہے اگرچہ باقاعدہ طور پر کبھی انگریزی تعلیم سے مستفید ہونے کا موقعہ نہیں ملا - تاہم مغربی تہذیب اور نئی روشنی والوں کے خیالات سے بخوبی ماہر ہیں - اور اکثر جگہ اپنے کلام میں شعرائے یورپ کی طرز تحریر کا فوٹو اتارا ہے - زبان نہایت سلیس - صاف اور شستہ اور طرز بیان نہایت سنجیدہ متین دلکش اور پسندیدہ ہے - جملہ اصناف سخن پر قادر ہیں - مشاہیر شعرائے وقت مثل نواب ضیاء الدین احمد خاں صاحب - نیر رخشاں - خواجہ حالی - مرزا داغ - میر مہدی مجروح - نواب مرزا ظہیر - امراؤ مرزا انور - مرزا قربان علی بیگ سالک - نواب احمد سعید خاں صاحب طالب - نواب محمد علی خاں صاحب رشکی - مرزا ارشد - منشی کرم اللہ خاں صاحب شیدا - ذکریا خانصاحب ذکی وغیرہ سے ارتباط مخلصانہ و تعلق ہمعصرانہ رہا ہے - اور اکثر مشاعروں میں انکی ہمطرحی کی عزت حاصل کر کے سخن سنجان نامی و سخنوران گرامی سے تحسین و آفرین کا صلہ پا چکے ہیں +

---

وہ جڑی بوٹی جو درد دل کا علاج ہے - انہار آسمانی کے کناروں پر اگتی ہے -

(لانگ فیلو)

یہ امر تو مسلمہ ہے کہ تجربہ ایک فصیح واعظ ہے - مگر افسوس ہے کہ بہت تھوڑے لوگ اس کے وعظ کو توجہ سے سنتے ہیں -

(کالٹن)

# خاتونوں کا ورق

اینی بسنت صاحبہ - اِس زمانہ میں اِنگلستان کی جو عورتیں شہرت کے معراج پر پہنچی ہیں - اُن میں اینی بسنت نہایت اِمتیاز کے ساتھ ذکر کے قابل ہے - فصاحت اور فنِ تقریر میں شائد اینی بسنت دنیا بھر کی عورتوں میں تو اپنا جواب نہیں رکھتی - مگر خوبی یہ ہے کہ وہ یورپ کے فصیح البیان مردوں میں بھی بلند پایہ ہی - جب وُہ بولنے لگتی ہی - تو سُننے والے دم بخود ہو جاتے ہیں - اور سوائے اس کی صاف اور دلنشین آواز کے یا کبھی کبھی تحسین و آفرین کی صداؤں کے ساری مجلس ایسی خاموشی چھائی ہوتی ہی - کہ گویا بُت مندروں سے اُٹھ کر اس فصاحت کی دیوی کی مُلاقات کے لئے جمع ہو گئے ہیں - اسکے الفاظ میں کچھ ایسا جادو ہی کہ جو سُنے گرویدہ ہو جاتا ہی - اور کم از کم اسکی تقریر سُنتے وقت تو یہ سمجھتا ہی کہ یہ تقریر کی پتلی جو کچھ کہہ رہی ہی بجا کہہ رہی ہے اس میں شک نہیں کہ یہ لیاقت بہت کچھ تو خداداد ہی - مگر اینی بسنت کی اپنی کوشش اور مشق کا حصّہ بھی کچھ تھوڑا نہیں - اوائلِ عُمر میں تعلیم اچھی پائی - جوانی میں اس شوق کو جاری رکھا - دماغ کو مسائلِ ملکی اور مذہبی پر غور کرنے کی عادت ڈالی - اور جس دن سے ان قابلیتوں کے زور پر فصاحت کے میدان میں نکلی - اُس دن سے اس فن میں وہ مشق بہم پہنچائی - کہ کئی سالوں کی تقریروں کی اوسط تین سو فی سال نکلتی ہی - یعنی ایت وار اور سفر وغیرہ کے دِن چھوڑ کر کوئی دِن ایسا نہیں جسمیں اینی بسنت نے تقریر نہ کی ہو - گو مذہبی اعتقادات میں اینی بسنت نے بعض لوگوں کے نزدیک مستقل مزاجی کا ثبوت نہیں دیا - ابتدا میں عیسائی پیدا ہوئی - عیسائیوں میں اِس کی تربیت ہوئی اور ایک عیسائی پادری صاحب سے بیاہی گئی - مگر ابھی جوان ہی تھی کہ اسکے خیالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا - کہ دہریہ منش ہو گئی -

مدت تک دہریت کا وعظ کرتی رہی اور ہزاروں بندگانِ خدا کے عقیدے اپنے سے کر لئے لیکن
میں اسکی مذہب پسند طبیعت نے پھر اس زور سے اسکے اعتقادات کو بدلا کہ دہریہ پن سے
یکایک ہندو مذہب پہ آ ٹھہری - اب ایک عرصہ سے اسکو ہندوستان کی سرزمین ایسی پسند
ہوئی ہی - کہ اُس نے اِسے قریب قریب اپنا مسکن بنا لیا ہی اور ہندو قوم کی ترقی کے لئے کوشش کرنا
اپنی زندگی کا مقصد ٹھہرایا ہی - ہمیں یہاں اُسکے مذہبی خیالات اور عقائد سے بحث نہیں - اُس کی
جو بات ہمارے ملک کی عورات کی توجہ کے لائق ہی وُہ یہ ہی کہ عورت ذات ہو کر اینی بسنت نے کس درجہ
کی لیاقت اور کس درجہ کی فصاحت حاصل کی ہی - اور کس مستقل مزاجی کے ساتھ اپنی زندگی کو خلقِ خدا
کی خدمت کے لئے وقف کر دیا ہی - اسکی تقریروں کے موقعہ پر اکثر یہ اہتمام ہوتا ہی - کہ معززین جوق
جوق داخلہ کا ٹکٹ خرید کر سننے جاتے ہیں اور ہر مقام پر سینکڑوں روپے ایک ایک تقریر کی عوض میں
جمع ہو جاتی ہیں - اگر اینی بسنت اپنی ذات کیلئے روپیہ جمع کرنا چاہتی اور ذاتی آرام و آسائش کی خواہشمند
ہوتی - تو اسکی قابلیت ایسی تھی کہ تقریر و تحریر کے ذریعہ ہی انگلستان جیسے ملک میں لاکھوں روپیہ کما کے
بیٹھ جاتی اور بجائے اپنے مخالفین سے بُرا بھلا سننے کے ہر دلعزیزی میں لاجواب ہوتی - مگر اُسنے اپنے تمام
اوقات کو اپنے خیال اور عقیدہ کے موافق خدا کے بندوں کی خدمت کے لئے وقف کر دیا - اب اُسے نہ آب و ہوا
کی ناموافقت کا خیال ہی - نہ ہندوستان کی گرمی کا خوف ہی - نہ اہل ہند کی ناقدردانی کا ڈر ہی - نہ وہ کسی
کی مخالفت سے گھبراتی ہی - بلکہ پوری تندہی کے ساتھ اپنا کام کئے جاتی ہی - اسکو یہ دھن ہی کہ ہندوؤں کے لئے
ایک اعلیٰ درجہ کا کالج بنے - جسمیں مغربی علوم و فنون سنسکرت کے علم کے ساتھ ملا کر پڑھائے جائیں - جہاں
یہ کوشش ہو کہ ہندو انگریزی پڑھکر پورے ہندو رہیں - انکے خیالات اور معلومات مغرب کے علما کی معلومات کا
مجموعہ ہوں - اور انکی وضع - لباس اور عقائد ہندو مذہب کا پرانا رنگ قائم رکھیں - اس راہ میں اُسے کئی دقتیں
پیش آئی ہیں - کئی ناکامیوں کا سامنا ہوا ہی - مگر آخر اُس نے بنارس میں کالج قائم کر ہی دکھایا ہی - اُسے
راستہ چلنے سے غرض ہی - نہ وہ منتظر ہے کہ راستہ میں پھولوں کی چادر بچھی ہو تو چلوں اور نہ وہ خائف ہی کہ پانو
میں کانٹے چُبھ جائینگے اور آبلہ پائی کی مصیبتیں جھیلنی پڑینگی - جس طرح بن پڑتا ہی چلی جا رہی ہی *

# گلِ رنگین

تو شناسائے خراشِ عقدۂ مشکل نہیں — واقفِ افسردگیہائے طپیدِ دل نہیں
زیبِ محفل ہے شریکِ شورشِ محفل نہیں — کیوں یہ تسکینِ خموشی ذرا مجھے حاصل نہیں

سوز بانوں پر بھی خاموشی تجھے منظور ہے
راز وہ کیا ہے ترے سینہ میں جو مستور ہے

ترے حسنِ گلشن آرا پر جھکا جاتا ہے دل — لذتِ نظارہ سے بیخود ہوا جاتا ہے دل
پر لگا کر صورتِ بلبل اُڑا جاتا ہے دل — حلقہائے موجِ نکہت میں پھنسا جاتا ہے دل

کام مجھ کو دیدۂ حکمت کی الجھیڑوں سے کیا
دیدۂ بلبل سے میں کرتا ہوں نظارہ ترا

توڑ لینا شاخ سے تجھ کو مرا آئیں نہیں — یہ نظر غیر از نگاہِ چشمِ صورت بیں نہیں
آہ یہ دستِ جفا جو اے گلِ رنگیں نہیں — کس طرح تجھ کو یہ سمجھاؤں کہ میں گلچیں نہیں

آشنائے سوزِ فریادِ دلِ مہجور ہوں
پھول ہوں میں بھی مگر اپنے چمن سے دور ہوں

آہ اے گل تجھ میں بھی جوہر وہی مستور ہے — جو دلِ انساں میں مضمر مثلِ موجِ نور ہے
میری صورت تو بھی اک برگِ ریاضِ طور ہے — ہائے پھر مجھ سے جدائی کیوں تجھے منظور ہے

دل میں کچھ آتا ہے لیکن منہ سے کہہ سکتا نہیں
اور تکلیفِ خموشی کو بھی سہہ سکتا نہیں

بھا گئے انداز تیرے اے گلِ رعنا مجھے — مار ڈالیگا خوشی سے جھومنا تیرا مجھے
کیوں نہیں ملتی یہ تسکینِ قرار افزا مجھے — ہاں سکھا دے کچھ سبق اپنی خموشی کا مجھے

باغِ ہستی میں پریشاں مثلِ بُو رہتا ہوں میں
زخمیِ شمشیرِ ذوقِ جستجو رہتا ہوں میں

یہ پریشانی مگر جمعیتِ عرفاں نہ ہو   یہ حنا بندِ کفِ محبوبۂ ایماں نہ ہو
یہ خزاں اپنی بہارِ گلشنِ رضواں نہ ہو   یہ جگر سوزی چراغِ خانۂ انساں نہ ہو

ہے یہ تاریکی مگر اک شمعِ دل افروز ہے
توسنِ ادراکِ انساں کو خرام آموز ہے

(اقبال)

---

# شعر کیا ہے

ذیل کے اشعار تعریفِ شعر میں مرزا اعجاز حسین صاحب دہلوی کے کلام کا نمونہ ہیں۔ مرزا صاحب مغربی رنگ میں بھی بہت پاکیزہ نظم لکھتے ہیں۔ مگر ان اشعار میں انہوں نے پرانا ڈھنگ ہی اختیار کیا ہے۔ اور خوبی سے نباہا ہے۔

۱ شعر کو کیا کہوں کہ کیا کہیے   کس طرح دل کا مدعا کہیے   ۲ خامہ ہے سرنگوں کہ کیا لکھیے
نطقِ حیرت زدہ کہ کیا کہیے   ۳ نازِ پروردۂ جگر لکھیے   لختِ دل کہیے تو بجا کہیے
۴ جوہرِ خنجرِ زباں لکھیے   ترکشِ تیرِ بیخطا کہیے   ۵ مرہمِ زخمہائے دل لکھیے
رنجِ جاں سوز کی دوا کہیے   ۶ حاصلِ کشتِ سالہائے دراز   ثمرِ نخلِ تجربا کہیے
۷ ایک مرقع حیات کا لکھیے   یا کہ جامِ جہاں نما کہیے   ۸ موجِ طغیانیِ محیطِ ازل
جوششِ قلزمِ بقا کہیے   ۹ یہ نہ لکھیے تو اور کیا لکھیے   یہ نہ کہیے تو اور کیا کہیے
۱۰ شورِ صد خندہ ہائے عیش و طرب   اشکِ صد گریہ و بکا کہیے   ۱۱ شعلۂ نالہائے دردِ انجام

دودِ صد آہِ نارسا کہیے ۱۲ شورِ پروازِ ذہن کیجیے فرض جلوۂ قلبِ باصفا کہیے

۱۳ مخبرِ رازِ شمع و پروانہ رازدارِ گل و صبا کہیے ۱۴ لکھیے آئینۂ وصال و فراق

نقشۂ الفت و وفا کہیے ۱۵ یہ کلیدِ رموزِ عرفاں ہے ہادیِ راہِ اتقا کہیے

۱۶ ترجمانِ عروجِ اہلِ کمال بھولے بھٹکوں کا رہنما کہیے ۱۷ ہے یہ وہ بحر جسکا ہر قطرہ

۱۸ فکرِ دنیا میں ہوں جو پادرگل اسکو انکے لئے عصا کہیے ۱۹ لکھیے دُرِّ یتیمِ معدنِ نطق

تابشِ گوہرِ ادا کہیے ۲۰ روئے معنی چھپا جو لیتا ہے اس کو خاتونِ باحیا کہیے

۲۱ لفظ پردے سہی مگر اسکو پردہ سازِ خوشنوا کہیے ۲۲ دل کو دیں کاہ سے اگر نسبت

شعر کو پھر تو کہربا کہیے ۲۳ مان لیجے اگر کہیں حکمت گر کہیں سحر تو بجا کہیے

۲۴ نازشِ سازہائے موسیقی فخرِ مرغانِ خوش نوا کہیے ۲۵ نافۂ آہوئے تتارِ دماغ

گلشنِ فکر کی فضا کہیے ۲۶ قفسِ طائرانِ وہم و خیال دامِ فکرِ گریزپا کہیے

۲۷ بے تکلف جو دل میں چبھ جائے نہ کہیں نشتر تو کیا کہیے ۲۸ ہو جو تنہائی میں نہ کوئی پاس

تو اسے یارِ باوفا کہیے ۲۹ شاملِ درد و راحتِ دنیا مونسِ ہر شہ و گدا کہیے

۳۰ مایۂ انبساط و جانِ شباب غم رُبا کہیے جانفزا کہیے ۳۱ گتھیاں دل کی کھول دیتا ہے

ناخنِ صد گرہ کشا کہیے ۳۲ ہو نہ جس شعر میں یہ وصف اُسے مرغِ بے پر شکستہ پا کہیے

۳۳ جس میں نکلے نہ کوئی لطف کی بات شعرِ بے فائدہ اُسے کہیے ۳۴ نظم لکھیے تو پُر اثر لکھیے

شعر کہیے تو بامزا کہیے ۳۵ تازہ دیجائے لطف گو اسکو بارہا پڑھیے بارہا کہیے

۳۶ تار برقی ہے یہ دلوں کے لئے اس میں کچھ اپنا مدعا کہیے ۳۷ عرضِ احوالِ شوق کیجیے رقم

قصۂ الفت و وفا کہیے ۳۸ گلۂ جورِ آسماں کیجیے شکوۂ بختِ نارسا کہیے

۳۹ ہو ترقی قوم گر مقصود کچھ تنزل کا ماجرا کہیے ۴۰ تپشِ جان و دل بیاں کیجیے

سخنِ صبر آزما کہیے ۴۱ بات کہنے کی ہو تو کیوں نہ کہیں خوب کہیے ذرا ذرا کہیے

۴۲ جسکے جلوے ہوں اسقدر اعجاز اسکو پھر کیوں نہ مرحبا کہیے

# چاند

ہمارے مکرم میر نذیر حسین صاحب بی۔ اے نظم غیر مقفیٰ کا نمونہ ارسال فرماتے ہیں۔ انگلستان کے ایک جوانمرگ مگر مشہور شاعر کیٹس کی نظم کا ترجمہ ہے۔

گھنے سے کہنہ درختوں کے بھی سائے اے ماہ
تلملا جاتے ہیں جب دیکھتا ہے جھانک کے تو
بڈھی شاخیں بھی ہیں تلملا کے مچاتی اک غُل
متاثر تری صحبت سے ہیں رہتی جب تک
ہر جگہ سایۂ رحمت تو سدا رکھتا ہے
پھونکتا رُوح ہے مُردوں میں لبِ سیمیں سے
روشنی ہیں تری بیٹھی ہوئی سوتی گائیں
دیکھتی خواب حمالے بہشتی کے ہیں
بے عدد کوہ مسرت میں ہیں اُٹھتے جاتے
اس توقع پہ کہ برکت تری آنکھوں کی ملے
اس پہ بھی تیری سخاوت سے نہیں بچتی ہر
دُھندلی خلوت کوئی یا چھوٹا سا قطعہ کوئی
آڑ میں بیٹھا ہوا عشقہ کے پتّے کی لَوا
پیارے چہرے کی ترے چُپکا ہی جھلکیں لیتا
تو ہی حیوانِ صدف کے تو ہے دل کی تسکیں
جب پڑا سوتا ہے وہ موتی کے گھر میں اپنے
بحر ذخار یہ ہرگز نہیں لہریں لیتا
سر تعظیم ترے آگے ہے پر خم کرتا

---

تجھ میں کیا بات ہے اے ماہ مجھے سچ تو بتا
دل کو میرے جو تو اس طرح ہے موہے لیتا
ابھی بچہ تھا کہ اُلفت تھی تری اتنی مجھے
جب تو ہنستا تھا تو گھڑیوں ہی میں رویا کرتا
میں سمجھتا تھا تجھے بھائی بھرا کرتا تھا
ہاتھ میں ہاتھ دیے تیرے فلک پر شب بھر
کبھی سیبوں کو درختوں سے نہیں توڑتا تھا
جب تلک گال نہ کر دیتا تو اُنکے ٹھنڈے
داستاں گرتے ہوئے پانی سے کب میں نے سُنی
ہاں مگر ناچتیں جب تیری بھی آنکھیں اُن پر
ہرا جنگل نہ خوش آتا نہ چمن پھولوں بھرا
جب تلک تو نہ اُٹھا لیتا پپوٹے پیارے

جب کبھی موسمِ گرما میں شگوفے کھلتے — تُو ہی سنتا تھا مسرت میں مجھے گاتے ہوئے
کوئی لے کب تھی کسی جاتی پری کے مانند — ہاں مگر راج ترا جب وُہ منانے آتی
جُوں جُوں بڑھتا گیا میں آتشِ اُلفت بھڑکی — دیکھ لیتا نہ تجھے چین نہ آتا دم بھر
گہری وادی تھا تو ہی قُلہ کوہی تو ہی — کلکِ فہامہ تو ہی - بربطِ شاعر تو ہی
تو ہی آواز تھا احباب کی سُوجھ تو ہی — تو ہی دریا تھا مجھے - شہرت حاصل تو ہی
رخش تو ہی تھا مرا تو ہی نفیری کی صدا — ساغر بادہ تو ہی - کارنمایاں تو ہی
تو ہی افسونِ زناں تھا مجھے جنت تو ہی — حور تھا تو ہی مجھے نعمتِ عشرت تو ہی
اب بھی اُلفت ہی وُہی عشق وُہی تجھ سے ہے — آتشِ تیز وُہی شعلہ جوالہ وُہی

کاش بتلائے کوئی کیسے میں تجھ تک پہنچوں
گود میں پڑ کے تری تجھ پہ فنا ہو جاؤں

---

# حسین ساگر

حیدرآباد (دکن) میں ایک مشہور تالاب ہے۔ جسے ہمارے عنایت فرما مولوی محمد عبدالغفور صاحب شہباز پروفیسر علوم طبعی اورنگ آباد کالج نے شاعرانہ نظر سے دیکھا ہے اور جو اثر اس تالاب کے نظارہ سے انکے دِل پر ہوا ہے۔ اسکی تصویر الفاظ میں کھینچ کر ہمارے ناظرین کے ملاحظہ کے لئے بھیجدی ہے:-

صفت وُہ کون سی ہے شیخ حوضِ کوثر میں؟ — نہیں بوجہ حسن جو حسین ساگر میں
اسی سے شہد کی بوتل میں ہے شرابِ صفا — اسی سے قند کا شربت ہے جامِ شکر میں
بتائیں اس کو ہم آئینہ سکندر جب — کہ لہریں ایسی ہوں آئینہ سکندر میں

بکھر کے دوش مصفّا پہ لاکھ گھبرائیں　　صفائیاں یہ کہاں گیسوئے معنبر میں
نکل رہی ہیں لطافت سے موج کی سطریں　　بھری ہوئی ہے بلاغت صبا کے مسطر میں
بناتی موجیں ہیں اس کی وہ خوش نما زریں　　طلب ہی جن کی بہت تشنگی کے لشکر میں
شعاع مہر سے موجوں کے جگمگے پہلو　　ہیں کوہ نور جڑے صاف تاج قیصر میں
گلا سکے کوئی خوبی سے اس قدر چاندی　　کہاں یہ اتنی سکت اوستاد زرگر میں
کنوئیں میں سنتے تھے سیماب بند رہتا ہے　　مگر یہاں تو ہے پھیلا ہوا سمندر میں
لگے وہ تیر نے اگر غوب ہوتے ہی　　ستارے جتنے تھے آباد قصر اخضر میں
فلک ہی کود پڑا یا کہ لے کے انجم کو　　بلند بام سے دھم سے کسی سمندر میں
خوشی سے تیرتے پھرتے ہیں اتدن و طیور　　طلسم بام ملائک ہے جن کے شہپر میں
سنائی دیتے ہیں سرخاب کے خزیں نالے　　شب فراق لکھی جس کے ہے مقدر میں
عجیب وضع سے مرغابیاں ہیں وقف شنا　　ہیں دھوپ چھاؤں لپیٹے گلے میں اور پر میں
دوچار ہوتے ہی کھنچ جائے ہو بہو تصویر　　کمال اتنا کہاں ہے فوٹوگرافر میں

نہیں یہ حوض ہے شہباز شہر کا زیور
بھری ہیں آب کی جا خوبیاں وہ زیور میں

---

# بربطِ سلما

مولوی فضل الحسن صاحب حسرت موہانی مدرسۃ العلوم علیگڈھ کے موجودہ طلبا میں اردو علم ادب کے مذاق میں ممتاز ہیں اور اکثر دہاں کی انجمن اخوان الصفا میں مضامین نظم و نثر پڑھتے رہتے ہیں۔ انہوں نے ہمیں کچھ مضامین بھیجے ہیں۔ جو وقتاً فوقتاً درج رسالہ ہونگے۔ حسرت کی ایک مختصر مگر لطیف نظم ہدیۂ ناظرین کیجاتی ہے

بربطِ سلما ہے کیوں خاموش مدت سے پڑا　　نغمہ دل کش اسی کا تو کبھی مشہور تھا

کچھ عجب عالم تھا اسکے راگ کی تاثیر کا — جب کبھی ہوتی تھی سلما باغ میں نغمہ سرا

پھر نہ رہتی تھی ہوائے باغ اپنی ہوش میں
بیخودی میں لے ہی لیتی تھی اُسے آغوش میں

---

بربطِ سلما ہے پھر خاموش آخر کیوں پڑا — تھا یہی تو باعثِ تسکینِ جانِ مُبتلا
مژدہ جانبخش سے کچھ کم نہ تھی اسکی صدا — عاشقِ شیدائے سلما کی یہی تو جان تھا

---

دِل سے سلما کے مگر پاسِ وفا جاتا رہا — چنگ بھی اس کا اسی باعث سے چپ سا ہو گیا
بیکسی سی بربطِ سلما پہ ہی چھائی ہوئی — مونس شیدائے سلما آہِ تنہائی ہوئی

بربطش خاموش شد چنگ رباب از یاد رفت
اُلفتِ وارفتۂ سلما مگر برباد رفت

---

# منتخباتِ انیس

ہندوستان کے مرثیہ کہنے والوں میں میر انیس مرحوم کا رتبۂ عالی کسی تعریف کا محتاج نہیں۔ یوں نام کو تو انہوں نے تمام اصنافِ سخن کو چھوڑ کر صرف مرثیہ کو اختیار کر لیا۔ مگر درحقیقت شاعری کا کوئی پہلو ایسا نہیں رہا۔ جسے اُنہوں نے مرثیہ میں ہی نہ سمیٹ لیا ہو۔ نقدت کے نظاروں کے دلاویز بیان ڈھونڈھو تو میر صاحب کے مرثیوں میں موجود ہیں۔ کیفیاتِ قلب کے ہُو بہُو نقشے چاہو تو مرثیہ میں نکل آئیں۔ رزم چاہو تو وُہ رزم کہ نظامی کی رُوح عش عش کرے۔ اور بزم چاہو تو وہ بزم کہ سعدی کی روح داد دے۔ سلام میں میر صاحب نے غزل کی زمینوں کو آسمان پر پہنچا دیا ہے اور سلاموں میں وہ اخلاقی اور علمی مضامین بھر دیئے ہیں۔ کہ آدمی پڑھ کر ہمہ تن توصیف ہو جاتا ہے۔ آج ہم ناظرین کو اُنکے چمنِ نظم کی سیر کراتے ہیں:۔

# طلوعِ صبح

طے کر چکا جو منزلِ شب کاروانِ صبح — ہونے لگا افق سے ہویدا نشانِ صبح
گردوں سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح — ہر سو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح
پنہاں نظر سے روئے شبِ تار ہو گیا
عالم تمام مطلعِ انوار ہو گیا

خورشید نے جو رُخ سے اُٹھایا نقابِ شب — در کھل گیا سحر کا ہوا بند بابِ شب
انجم کی فرد فرد سے لیکر حسابِ شب — دفتر کشائے صبح نے اُلٹی کتابِ شب
گردوں پہ رنگِ چہرۂ مہتاب فق ہوا
سلطانِ غرب و شرق کا نظم و نسق ہوا

پہنچا جو مہر مہر سے فرمانِ عزلِ شب — گردوں پہ عاملانِ سحر کا ہوا نصب
منشیٔ آسماں مع دفتر ہوا طلب — بس جابجا سے اُٹھ گئی انجم کی فوج سب
تا صبح فرد فرد میں بیگانگی ہوئی
برخاست کی چراغوں کو پروانگی ہوئی

یوں گلشنِ فلک سے ستارے ہوئے رواں — چُن لے چمن سے پھولوں کو جس طرح باغباں
آئی بہار میں گلِ مہتاب پر خزاں — مُرجھا کے گر گئے ثمرِ شاخِ کہکشاں
دکھلائے طور بادِ سحر نے سموم کے
پژمردہ ہو کے رہ گئے غنچے نجوم کے

چھپنا وہ ماہتاب کا وہ صبح کا ظہور — یادِ خدا میں زمزمہ پردازیٔ طیور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا وہ فضا وہ نور — خنکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرور
انساں زمیں پہ محو ۔ ملک آسمان پر
جاری تھا ذکرِ قدرتِ حق ہر زبان پر

وُہ سُرخی شفق کی اُدھر چرخ پر بہار — وُہ بار و درخت وُہ صحرا وُہ سبزہ زار
شبنم کے وُہ گلوں پہ گہرہائے آبدار — پھُولوں سے سب بھرا ہوا دامانِ کوہسار
نافے کھُلے ہُوئے وُہ گلوں کی شمیم کے
آتے تھے سرد سرد وُہ جھونکے نسیم کے

---

# غریبُ الوطنی

ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں — راحت نہیں ملتی کوئی دم آٹھ پہر میں
سو شغل ہوں پر دھیان لگا رہتا ہے گھر میں — پھرتی ہے سدا شکل عزیزوں کی نظر میں
سنگِ غمِ فرقت دلِ نازک پہ گراں ہے
اندوہِ غریب الوطنی کاہشِ جاں ہے

گو راہ میں ہمراہ بھی ہو راحلہ و زاد — جاتی نہیں افسُردگی خاطرِ ناشاد
جب عالمِ تنہائی میں آتا ہے وطن یاد — ہر گام پہ دل مثلِ جرس کرتا ہے فریاد
اِک آن غم و رنج سے فرصت نہیں ہوتی
منزل پہ بھی آرام کی صُورت نہیں ہوتی

---

یارب چمنِ نظم کو گلزار ارم کر — اے ابرِ کرم خشک زراعت پہ کرم کر
تو فیض کا مبدا ہے توجّہ کوئی دم کر — گمنام کو اعجازِ بیانوں میں رقم کر
جب تک کہ چمک مہر کی پرتو سے نہ جائے
اقلیمِ سخن میری قلمرو سے نہ جائے

# کچکول

تری اُلفت کی چنگاری نے ظالم اِک جہاں پھونکا
اِدھر چمکی اُدھر سُلگی یہاں پھونکا وہاں پھونکا

مجھے کیونکر یقیں ہو آگ ظالم کو جلائے گی
کسی دن آتشِ رنگِ شفق نے آسماں پھونکا؟

بُجھی کب عندلیبِ سوختہ دل کی لگی تجھ سے
چراغِ گل کو کیا پھونکا جو اے بادِ خزاں پھونکا

(داغ)

---

وہ کچھ سُنا ہیں کہ صیّاد دردمند ہوا
قفس میں بند ہوئے پر بھی میں نہ بند ہوا

مجھے تو شیوۂ آزادگی کمند ہوا
کہ دامِ قطعِ تعلّق میں پائے بند ہوا

مزا تو یہ ہے کہ آزاد ہو کے سیر کرے
خضر کو رشتۂ عمرِ ابد کمند ہوا

(داغ)

---

چشم اپنی اِن و آں کے تماشے سے بند ہے
غفلت ہے اک طرح کی گرانیٔ خواب ہے

وہاں اک ستم تو یہاں ہمہ تن ہے زبانِ شکر
اپنا جُدا جہاں سے حساب و کتاب ہے

(امراؤ مرزا انور)

---

اُن سے ہم لو لگائے بیٹھے ہیں
آگ دِل میں دبائے بیٹھے ہیں

تیرے کُوچے کے بیٹھنے والے
اپنی ہستی مٹائے بیٹھے ہیں

(انور)

---

لکھا کرے کوئی احکامِ طالعِ مولود
کسے خبر ہے کہ وہاں جنبشِ قلم کیا ہے

وُہ داد و دیدِ گرانمایہ شرط ہے ہمدم
وگرنہ مہرِ سلیمان و جامِ جم کیا ہے

---

توڑ بیٹھے جب کہ ہم جام و سبو پھر ہم کو کیا
آسماں سے بادۂ گلفام گر برسا کرے

مجھ میں وُہ تاب ضبطِ شکایت کہاں ہے اب — چھیڑو نہ تم کہ میرے بھی منہہ میں زباں ہے اب
وُہ دن گئے کہ حوصلہ ضبطِ راز تھا — چہرے سے اپنے شورشِ پنہاں عیاں ہے اب

(حالی)

---

کیوں وُہ صیاد کسی صید پہ توسن ڈالے — خود بخود صید چلے آتے ہیں گردن ڈالے
سب دوئی کا ہی یہ پردہ ہے جو وحدت ہو جائے — گردنِ شیخ میں زنّار برہمن ڈالے

(امیر مینائی لکھنوی)

---

تو ہی یہاں رہنے کو آیا ہے نہیں او غافل — جو یہاں ہے سو مسافر ہے یہ گھر کس کا ہے
عکسِ آئینہ صفت ربط ہے منہہ دیکھے کا — خوب واقف ہوں میں دِل میں ترے گھر کس کا ہے

(امیر)

---

مدت ہوئی لگی تھی محبت کی دِل میں چوٹ — گو درد وُہ نہیں ہے پر اب تک کسک تو ہے

---

عالمِ آزادگاں ہے اک جہاں سب سے الگ — ہے زمیں اُنکی اور اُنکا آسماں سب سے الگ
پاک ہیں آلائشوں سے بندشوں سے بے لگاؤ — رہتے ہیں دُنیا میں سب کے درمیاں سب سے الگ
سب کی سُن لیتے ہیں لیکن اپنی کچھ کہتے نہیں — ہے کوئی بھیدی اور اُنکا رازداں سب سے الگ
سینکڑوں پھندوں میں یہاں جکڑا ہوا ہے بند بند — پر ٹٹولے کوئی دِل اُنکا تو وہاں سب سے الگ

(حالی)

---

کچھ پتا منزلِ مقصود کا پایا ہم نے — جب یہ جانا کہ ہمیں طاقتِ رفتار نہیں
بات جو دِل میں چھپائی نہیں بنتی حالی — سخت مشکل ہے کہ وُہ قابلِ اظہار نہیں

---

ہم تو کہنے کو حالِ دِل کہہ دیں — سُننے والا نظر نہیں آتا
ڈھونڈھتی ہیں جسے میری آنکھیں — وہ تماشا نظر نہیں آتا
ہمیں اے داغ کور باطن ہیں — ورنہ کیا وُہ نظر نہیں آتا

ڈہ جائے کیوں نہ ہر یہ تن کا حصار کچا
ہوتا نہیں ہے ہرگز گھر پائدار کچا

بعد از فنا بھی تا ہو معلوم خاکساری
پختہ نہ کیجو رکھنا میرا مزار کچا

ظاہر ہے چاکِ دل سے پختہ مزاجی اپنی
معروفؔ شق نہ دیکھا ہرگز انار کچا

(نواب الٰہی بخش خاں۔ معروفؔ)

---

قفس میں نہ کیوں دل مکدر رہے
کہاں اپنا وہ آشیاں صاف صاف

کدورت کبھی دل میں آنے نہ دی
دیئے ہم نے کیا امتحاں صاف صاف

ترا نام کیوں منہ سے لیتی نہیں
جہانگیر نورِ جہاں صاف صاف

(جہانگیر)

---

مجھ کو تو ملک سے ہو نہ کچھ مال سے غرض
رکھتا نہیں زمانہ کے جنجال سے غرض

ہے التجا یہی کہ کرم تو اگر کرے
وہ بات دے زباں پہ کہ دل پر اثر کرے

(پروفیسر محمد حسین۔ آزاد)

---

بلبل کی داستاں سنی گوشِ گل نے کب
انساں ہی کو لطف ہر گفت و شنید کا

پھر سہو ہو گئیں تری وعدہ خلافیاں
اور پھر اعتبار ہے تیرے عہدِ جدید کا

رکھا وہ روک روک کے اٹھتی نگاہ کو
رہتا وہ تھام تھام کے دل محوِ دید کا

(داغ)

---

کھولینگے لات مار کے ہم میکدہ کا در
پاپوش اپنی کام کرے گی کلید کا

ہاں اے کلید دار قضا کھول قفل بخت
کچھ اس میں گھس نہ جائیگا ناخن کلید کا

(امیر مینائی)

---

قفلِ درِ مراد سب اک بار کھل گئے
چھوڑا جب آرزو نے بھروسا کلید کا

دیکھا ہے ہم نے عالمِ رحمت کو غور سے
ہے شش جہت میں قحط دلِ ناامید کا

دوزخ ہے گر وسیع تو رحمت وسیع تر
لا تقنطوا جواب ہے ھل من مزید کا

(حالی)

# نیرنگیٔ زمانہ

پنڈت شیوراج ناتھ صاحب عاشق سابق مہتمم خزانہ ضلع بلیا۔ لکھنؤ سے مندرجۂ ذیل قطعہ ارسال فرماتے ہیں۔ گو پنڈت صاحب کی شاعری اُنکی تشبیہات اُن کے استعارات پرانے مذاق کا نمونہ ہیں۔ مگر انہوں نے ان اشعار میں ایک ایسا عبرت انگیز نقشہ کھینچا ہے۔ کہ نئے مذاق والے بھی اسکی داد دینگے۔ یہ قطعہ ہمارے پاس تنگ وقت میں پہنچا ہے۔ اِس لئے منتخبات کے حصہ میں اس کے لئے جگہ نکالی ہے:— (ایڈیٹر)

کل شب کو تھی چمن میں عجب چاندنی کی سیر
ہوتا تھا شغلِ بادہ کشی گُلرخاں کے ساتھ

ہر اک نئی روش سے کیاری سجائی تھی
گلچیں بھی انتظام میں تھا باغباں کے ساتھ

تھا گل زمین باغ میں حوروں کا جمگھٹا
رتبہ میں تھی شریک زمین آسماں کے ساتھ

مستی کا تھا وہ رنگ کہ بھر بھر کے خُم کے خُم
لاتا تھا شیخ دوش پہ پیرِ مغاں کے ساتھ

بلبل کے چہچہے تھے کہیں گل کے قہقہے
کٹتی تھی شب ہر ایک کی امن و اماں کے ساتھ

ایسے سمیں میں کوئی کسیکا نہ تھا رقیب
زاہد دوکان کھولے تھا پیرِ مغاں کے ساتھ

حیرت سے جوئے باغ تھی مانند آئینہ
سُنبل تھا محو گیسوئے عنبر فشاں کے ساتھ

ایسا سماں ہو یار ہو ساقی ہو باغ ہو
پھر کیوں نہ حشر ہو مئی دلِ دشمناں کے ساتھ

صبحِ شبِ وصال بپا حشر یُوں ہوا
آواز صور آگئی شورِ اذاں کے ساتھ

پھر تو رہا نہ ساقی مہوش نہ بزم سے
بدلی خوشی دلوں کے غمِ جاوداں کے ساتھ

عاشق نظر فریب تماشہ یہ دیکھکر
تصویر بن گئے ہیں طلسمِ جہاں کے ساتھ

(ب)

# اشتہارات

## مخزن

لاہور سے ہر انگریزی مہینہ کی پندرہ تاریخ کو شائع ہوگا۔

قیمت عمدہ دبیز ولایتی کاغذ پر بلا محصول ے

دوم درجہ دیسی کاغذ پر ... عا

محصولڈاک دونوں صورتوں میں ... ۶ر

(مقامی خریداروں کو محصولڈاک معاف)

اشتہار شائع ہونے پر پیشگی قیمتیں اور ویلیو پے ایبل بھیجنے کی اجازتیں توقع سے بہت زیادہ آئی ہیں۔ جن کے لئے قدردانان کا شکریہ ہے۔ اب نمونہ دیکھ کر مزید قدردانی ہونی چاہئے۔ نمونہ کے پرچہ کے لئے ۲ کے ٹکٹ ارسال فرمائیے۔

شیخ عبد القادر مالک و ایڈیٹر

## زیر طبع

قاری محمد سرفراز حسین عزمی۔ دہلوی کی جدید تصنیفات

(انگریزی میں)

۱۔ محاسن اسلام۔ اس میں حسب ذیل چھ مضمون شامل ہیں جو ملک امریکہ میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور قدر کی نگاہ سے دیکھے گئے ہیں۔

| | |
|---|---|
| ۱۔ روحانی تعلیم۔ | ۴۔ ارکان دین۔ |
| ۲۔ توحید۔ | ۵۔ از مہد تا لحد۔ |
| ۳۔ رسالت۔ | ۶۔ موت و مابعد۔ |

قیمت ۸ر محصولڈاک وغیرہ ار

۲۔ مطالب قرآن حصہ اول پارہ الٓمٓ

قیمت ۴ر محصولڈاک وغیرہ ار

(اردو میں)

قطرات اشک۔ اس میں چھ قومی اور مذہبی مضامین شامل ہیں

قیمت ۴ر محصولڈاک وغیرہ ار

المشتہر رحمت خاں اینڈ سنز۔ نینی تال

## پنجاب ابزرور

شمالی ہند میں مسلمانوں کی ملکی اور قومی اغراض کو حکام کی زبان میں حکامِ وقت تک پہنچانیکا واحد ذریعہ

ہفتہ میں دو بار

لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ پنجاب کے بہت سے اعلیٰ یوروپین افسر اسکے خریداروں میں ہیں۔ اور جو باتیں اس اخبار میں درج ہوں یقیناً حکام کی نظر سے گذرتی ہیں۔

قیمت سالانہ پیشگی ... [illegible]

غلام رسول بی۔ اے منیجر

## کایستھ سماچار

یہ ماہوار میگزین انگریزی میں الہ آباد سے بزیر ایڈیٹری مسٹر ایس۔ سنہا بیرسٹر ایٹ لا بڑی آب و تاب اور قابلیت سے شائع ہوتا ہے ملک بھر کے اخبارات نے متفقہ طور پر تسلیم کیا ہے کہ اس میں بیشتر حصہ ایسے مضامین کا ہوتا ہے جو عام پسند ہوں۔ اور ہر قوم کے لائق مضمون نگار اپنے انگریزی مضمونوں سے اس رسالہ کو رونق دیتے ہیں۔ اس پر خوبی یہ کہ قیمت نہایت ارزاں ہے۔ مگر پیشگی کی سخت پابندی ہے۔

منیجر کایستھ سماچار الہ آباد

# کہتی ہی ہمکو خلق خدا غائبانہ کیا

**پیسہ اخبار** - مورخہ ۲۷ - اپریل سنہ ۱۹۰۱ء - اِس رسالہ کا پہلا نمبر بابت اپریل ۱۵ - تاریخ کو شائع ہوگیا - اِس کے اڈیٹر نے پہلے مضمون کو ان الفاظ پر ختم کیا ہی ہم نے کوشش کی ہی کہ موجودہ علمی رسالوں کی تعداد میں ایک سالہ زیادہ کرتے ہوئے اپنا رنگ جہانتک ممکن ہو - سب سے جُدا رکھیں" - اور جہانتک اس پہلے نمبر سے معلوم ہوسکتا ہی اسے ایسا ہی دلچسپ بنانے کی کوشش کی ہی +

**سول ملٹری نیوز** - مورخہ ۲۴ - اپریل سنہ ۱۹۰۱ء - یہ گلدستہ حُسن ظاہری و باطنی سے یکساں آراستہ و پیراستہ ہی - ہمیں اُمید ہی آیندہ اسکی خوبیاں نہ صرف قائم ہی رہینگی - بلکہ ان میں روز بروز اضافہ ہوگا +

**دلگداز** - سچ یہ ہی کہ مولوی عبدالقادر صاحب اس رسالے کے ذریعے سے اردو زبان پر ایک بہت بڑا احسان کر رہے ہیں - اور اگر اُن کی ایسی ہی توجّہ قائم اور سرگرمی باقی رہی تو یہ رسالہ زبان کے حق میں پُوری مسیحائی کریگا +

**نیّر اعظم** - مورخہ ۵ - مئی سنہ ۱۹۰۱ء اِسکے مضامین نظم و نثر دیگر رسالہ ہائے ہندوستان سے ایک جُداگانہ طرز و روش رکھتے ہیں +

**روہیلکھنڈ گزٹ** - یہ رسالہ اُردو زبان میں ایک بیش بہا چیز ہی - اِس کے لائق اڈیٹر کو کون نہیں جانتا جنکی انشا پردازی پنجاب میں مستند سمجھی جاتی ہی - آپ زمانہ حال کے تعلیم یافتوں میں ایک اعلیٰ خیال شخص ہیں - اور ایسے ہی حضرات کے دم سے صرف پنجاب کو نہیں بلکہ تمام ہندوستان کو فخر ہے +